ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 20 شمارہ 10 مئی 2023ء - شوال المکرّم 1444ھ

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 20 شمارہ 10 مئی 2023ء - شوال المکرّم 1444ھ

جلد 20 شمارہ 10

مئی 2023ء - شوال المکرّم 1444ھ

ماہنامہ التبلیغ راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد یونس — مفتی محمد ناصر — مولانا طارق محمود

فی شمارہ.................. 50 روپے

سالانہ.................. 500 روپے

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

قانونی مشیر

محمد شرجیل جاوید چوہدری

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

0323-5555686

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 400 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہوجانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ وچھرا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5702840

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

www.facebook.com/Idara Ghufran

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال..............مال وجاہ کی حرص ومحبت کی تباہی..........مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن(سورہ آلِ عمران: قسط38)...توبہ، یاعذاب کا اختیار صرف ''اللہ'' کو ہے.....// // 6

درسِ حدیث.... برزخ وقبر کی حیات،اور جسم وروح کا تعلق (قسط19)...// // 12

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

افادات وملفوظات..مفتی محمد رضوان 15

بیٹیاں رحمت ہیں..مولانا شعیب احمد 21

علم کے مینار:.....فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف.....مفتی غلام بلال 23

تذکرۂ اولیاء:..........................عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستی

گورنروں کی تقرری (قسط5)..مولانا محمد ریحان 28

پیارے بچو!.....................دوستی کس سے کریں؟.....................// // 30

بزمِ خواتین...ملازمت اور تجارت میں خواتین کے اختیارات (تیسرا حصہ)....مفتی طلحہ مدثر 32

آپ کے دینی مسائل کا حل........................تکفیر بازی ومغالطاتِ

سلفی کا جائزہ (قسط7)..ادارہ 40

کیا آپ جانتے ہیں؟..........................تکرارِ جنازہ وانتقالِ میت کی

تحقیق (قسط10)..مفتی محمد رضوان 56

عبرت کدہ....................کلامِ الٰہی میں ہدایت ورحمت.......مولانا طارق محمود 62

طب وصحت........کھانے، پینے سے متعلق اصولی ہدایت......حکیم مفتی محمد ناصر 65

اخبارِ ادارہ..........ادارہ کے شب وروز..........................// // 67

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

مال وجاہ کی حرص ومحبت کی تباہی

آج جب ہم اپنے معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں،تو ہر طرف طرح طرح کے فتنے وفسادات امڈتے ہوئے نظر آتے ہیں، کہیں چوری کی وارداتیں ہیں،تو کہیں ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کی حرکتیں، کہیں اغواء کاری ہے،تو کہیں ناپ تول میں کمی، کہیں ذخیرہ اندوزی کا سلسلہ ہے،تو کہیں رشوت کی گرم بازاری ہے، کہیں سیاسی جھگڑے ہیں،تو کہیں عدلیہ کے تنازعے ہیں، کہیں ایک دوسرے کو ذلیل کرنے، نیچا دکھانے وغیرہ کی جدوجہد ہے،تو کہیں عہدوں،اور منصبوں پر جھگڑے ہیں۔

اوران چیزوں نے ہمارے معاشرہ کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے،جس سے دین داروں کے بڑے طبقہ کا بھی محفوظ وسلامت رہنا مشکل ہو گیا ہے۔

ان سب فتنوں اور فسادوں کے پیچھے،یا تو مال ودولت کی حرص وطمع اور بے جا محبت کارفرما ہوتی ہے،یا منصب وعہدوں کی حرص وطمع اور بے جا محبت کارفرما ہوتی ہے،اوران ہی دونوں چیزوں کا حاصل وخلاصہ ''دنیا کی محبت'' ہے، جو مومن کے دین کے لئے تو تباہ کن ہے ہی،معاشرہ کے لئے بھی بہت زیادہ تباہ کن ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ (سنن الترمذی،رقم الحدیث ۲۳۷۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں،وہ ان بکریوں میں اتنا فساد برپا نہیں کرتے، جتنا زیادہ فساد، آدمی کا مال،اور شرف (یعنی عزت) حاصل کرنے کی حرص،اس کے دین میں پیدا

www.idaraghufran.org

کرتی ہے(ترمذی)

اس طرح کی اور بھی روایات ہیں۔

آج مذکورہ اور اس جیسی احادیث میں بیان کردہ ان دونوں مہلک بیماریوں میں ہمارا معاشرہ ڈوبا ہوا ہے، جن سے ہمارا کوئی بھی شعبۂ زندگی شاید محفوظ ہو، ہر شعبہ میں لوگوں کو مال کی حرص وطمع، اس کی بے جا طلب ومحبت نے بھی جکڑ رکھا ہے، اور شرف وجاہ، اور منصب وعہدہ کی حرص وطمع، اس کی بے جا طلب ومحبت نے بھی جکڑ رکھا ہے، اور بہت کم لوگ ہی ان دونوں بیماریوں سے محفوظ ہیں، اور ان دونوں بیماریوں کے دین کو برق رفتاری کے ساتھ فاسد اور خراب کرنے کا احادیث میں ذکر کردیا گیا ہے، ایسی صورت میں ان بیماریوں میں مبتلاء ہوکر دین کے سلامت رہنے کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔

مگر ہم نے دیکھا کہ آج معاشرہ میں سب سے زیادہ دوڑ ان ہی دونوں چیزوں کی حرص، طلب اور حصول میں لگی ہوئی ہے، جدھر چلے جاؤ ہر جگہ لوگ ان ہی دونوں چیزوں کی حرص، طلب اور حصول میں مگن نظر آتے ہیں۔

اور حد یہ ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو نیک اور دیندار تصور کرتے ہیں، پانچ وقت کی نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں، رمضان کے روزوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں، اور حج وعمرہ کا بھی اہتمام کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، یہی لوگ نماز سے فارغ ہوکر، یا حج وعمرہ سے واپس آکر، بلکہ عین روزہ کی حالت میں جب اپنے کاروبارِ زندگی سے منسلک ہوتے ہیں، تو جھوٹ بولنے، کم تولنے، کم ناپنے، ملاوٹ کرنے، دو نمبر مال فروخت کرنے، عیب چھپانے، غلط بیانی کرنے، جھوٹی قسمیں اٹھانے، رشوت وسود اور ناجائز منافع خوری میں ذرہ برابر جھجک محسوس نہیں کرتے، اور افسوس کہ ماہِ رمضان کی مبارک گھڑیوں میں یہ کام زیادہ تیز ہوجاتے ہیں۔

شادی بیاہ کا معاملہ ہو، یا کوئی دوسرا موقع ہو، دوسروں پر اپنی برتری وفوقیت ظاہر کرنے، کبر وتکبر اور فخر وتفاخر کا اظہار کرنے میں بہت مستعد نظر آتے ہیں، جب کسی سے شادی بیاہ کا رشتہ ناتہ جوڑنے کا نمبر آتا ہے، تو اس میں بھی دنیا کی اونچی ڈگریوں، اور عہدوں کی جستجو کرتے ہیں۔

بازاروں اور دوکانوں، فیکٹریوں اور ملوں میں جا کر دیکھا جائے،تو وہاں بھی مال ودولت کی گھن گرج ہی سنائی دیتی ہے، ہر شخص مال کی حرص وطمع ،طلب اور حصول میں اس طرح منہمک دکھائی دیتا ہے کہ اسے اس کے مقابلہ میں دنیا جہاں کی کسی چیز کا ہوش نہیں ہوتا۔

غرضیکہ ہر جگہ میں مال وجاہ کی حرص وطمع نے لوگوں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے، اور معاشرہ کو برباد کر دیا ہے۔

ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص احادیث کی روشنی میں اپنا جائزہ لے کر اپنے دین کو تباہ وبرباد ہونے سے بچائے ،وہ جس شعبۂ زندگی سے بھی منسلک ہو،خواہ تجارت کا شعبہ ہو، یا سرکاری، وغیرسرکاری ملازمت کا شعبہ ہو، یا کھیتی باڑی کا شعبہ ہو، یا عدالت اور وکالت کا شعبہ ہو، یا سیاست وحکومت کا شعبہ ہو، یا فوج وآرمی کا شعبہ ہو، ہر مرحلہ پر ’’مال اور جاہ‘‘ کی حرص وطمع سے اپنے آپ کو بچائے ،اور اپنے دین کی حفاظت کرے۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔آمین۔

درسِ قرآن(سورہ آلِ عمران: قسط38، آیت نمبر128و129)　　مفتی محمد رضوان

توبہ، یا عذاب کا اختیار صرف ’’اللّٰہ‘‘ کو ہے

لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡهِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ (128)وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ(129)(سورة آل عمران،رقم الآيات ١٢٨ و ١٢٩)

ترجمہ: نہیں ہے آپ کو اس معاملہ سے کوئی تعلق، یا متوجہ ہو جائے وہ (یعنی اللہ) اُن پر، یا عذاب دے وہ اُن کو، پس بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں(128)اور اللہ ہی کے لیے ہیں، وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں، اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں، مغفرت فرما دیتا ہے وہ، جس کے لیے چاہتا ہے وہ، اور عذاب دے دیتا ہے وہ، جس کو چاہتا ہے وہ، اور اللہ، غفور ہے، رحیم ہے(129)(سورہ آلِ عمران)

تفسیر وتشریح

سورہ آلِ عمران کی مذکورہ دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے، مغفرت فرمانے، یا عذاب دینے کا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہونے، اور اس پر صرف اللہ رب العزت کا اختیار ہونے کی وضاحت فرمائی ہے، جس کے ضمن میں ایک اصول یہ بھی بیان فرما دیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی چیزیں ہیں، ان سب پر اللہ کی ملکیت وحکومت قائم ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت فرما دی کہ اللہ ’’غفور‘‘ بھی ہے، اور ’’رحیم‘‘ بھی ہے، یعنی اللہ، ان صفات کی وجہ سے کسی مغفرت ورحمت کے متلاشی کو محروم نہیں فرماتا۔

اس سے ان غالی لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو اختیار کرتے ہیں، اور اس غلو کے نتیجہ میں اس قسم کے الفاظ بھی ’’نعوذ باللہ‘‘ زبان سے کہہ دیتے ہیں کہ ’’اللہ کا پکڑا چھڑائے، محمد اور محمد کا پکڑا چھڑائے نہ کوئی‘‘

کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مشرکین کا نام لے کران پر لعنت وبد دعاء فرمائی، پھر یہ آیت نازل ہوئی، جس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت وبد دعاء کرنا ترک فرمادیا، اور وہ مشرکین ایمان لے آئے۔

البتہ اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ یہ واقعہ کب پیش آیا، بعض روایات میں ''احد'' کے موقع پر نازل ہونے کا ذکر ہے، بعض میں مشرکین پر نماز کے اندر لعنت کرنے کا ذکر ہے، اور بعض میں نماز کا ذکر نہیں، مگر ان روایات میں درحقیقت ٹکراؤ نہیں، کیونکہ ایک آیت کا مختلف واقعات کے ضمن میں نازل ہونا ممکن ہے۔ اس سلسلہ میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّدْعُوَ عَلٰى أَحَدٍ أَوْ يَدْعُوَ لِأَحَدٍ، قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ، فَرُبَّمَا قَالَ: إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِيْ رَبِيْعَةَ، اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ، وَاجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ ،يَجْهَرُ بِذٰلِكَ، وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلَاتِهٖ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ: اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا، لِأَحْيَاءٍ مِّنَ الْعَرَبِ حَتّٰى أَنْزَلَ اللّٰهُ: ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ الآيَةَ (صحيح البخارى، رقم الحديث ٤٥٦٠)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے لئے دعاء، یا بد دعاء فرمانا چاہتے، تو رکوع کے بعد قنوت پڑھا کرتے تھے، پس بعض اوقات جب ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ '' کہتے تھے، تو یہ دعاء کرتے تھے کہ اے اللہ! ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، اور اے اللہ! اپنی پکڑ کو مضر قبیلہ پر سخت کر دیجئے، اور ان کو حضرت یوسف کے (زمانہ کے) قحط کی طرح قحط میں مبتلا کر دیجئے'' یہ دعاء بلند آواز سے کیا کرتے تھے، اور کسی دن فجر کی نماز میں یہ دعاء کیا کرتے تھے کہ ''اے اللہ! عرب کے محلّہ کے فلاں فلاں پر لعنت نازل فرما''

www.idaraghufran.org

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے (سورہ آلِ عمران کی) یہ آیت نازل فرمائی کہ ''لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ'' آخر آیت تک (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ يَوْمَ أُحُدٍ، وَشُجَّ فِيْ رَأْسِهِ، فَجَعَلَ يَسْلُتُ الدَّمَ عَنْهُ، وَيَقُوْلُ: كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوْا نَبِيَّهُمْ، وَكَسَرُوْا رَبَاعِيَتَهُ، وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ إِلَى اللّٰهِ؟ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: '' لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ''(صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۷۹۱''۱۰۴'')

ترجمہ: غزوۂ احد کے دن (مشرکین کے حملہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کا دانت ٹوٹ گیا، اور سر میں زخم ہو گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زخم سے خون پونچھتے ہوئے فرمارہے تھے، وہ قوم کیسے کامیابی حاصل کر سکتی ہے، جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا، اور اس کے سامنے کے دانتوں کو توڑا، حالانکہ وہ نبی انہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے، تو اللہ عزوجل نے (سورہ آلِ عمران کی) یہ آیت نازل فرمائی کہ ''لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ'' آخر آیت تک (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا، وَلَكَ الْحَمْدُ فِيْ الْأَخِيْرَةِ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۷۳۴۶، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، قول اللہ تعالیٰ لیس لک من الأمر شیء)

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی نماز میں سُنا، آپ نے دوسری رکعت کے رکوع سے سَر اُٹھایا، اور ''اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا، وَلَكَ الْحَمْدُ'' پڑھا، پھر فرمایا کہ اے اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت فرمایئے، تو اللہ عزوجل نے سورہ آلِ عمران کی یہ آیت نازل فرمائی کہ: ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ

فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ'' (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا، وَلَكَ الْحَمْدُ فِي الْأَخِيْرَةِ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ'' (بخاری، رقم الحدیث ۷۳۴۶)

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں رکوع سے سر اٹھا کر یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا، وَلَكَ الْحَمْدُ فِي الْأَخِيْرَةِ'' جس کے بعد یہ دعاء کی کہ اے اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت فرمایئے، تو اللہ عزوجل نے سورہ آلِ عمران کی یہ آیت نازل فرمائی کہ: ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ'' (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ عَلٰى رِجَالٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ يُسَمِّيْهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ حَتّٰى أَنْزَلَ اللّٰهُ'' لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ ''فَتَرَكَ ذٰلِكَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۵۹۹۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مشرکین کے بعض لوگوں کے نام لے کر ان پر بددعاء کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے (سورہ آلِ عمران کی) یہ آیت نازل فرمادی کہ ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ'' جس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، ان پر بددعاء کرنا چھوڑ دیا (مسند احمد)

بعض روایات کے آخر میں یہ صراحت بھی ہے کہ ان لوگوں کو اللہ نے اسلام کی ہدایت دے دی۔ اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی، اور وہ اسلام لے آئے، اور انہوں نے عمدہ طریقے پر اسلام کو قبول کیا۔

نماز میں قنوت کا حکم

سورہ آلِ عمران کی مندرجہ بالا آیت کے شانِ نزول سے متعلق بعض روایات میں نماز کے اندر مخصوص دعاء کرنے کا ذکر ہے، جس کا تعلق نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کے مسئلہ سے ہے۔

اور نماز میں قنوت پڑھنے کا مسئلہ فقہائے کرام کے نزدیک تین مواقع پر ہے، ایک تو وتر کی نماز میں، دوسرے فجر کی نماز میں، تیسرے آفات وبلیات کے نزول کے وقت میں۔

جہاں تک فجر کی نماز میں ''قنوت'' پڑھنے کا تعلق ہے، تو حنفیہ اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک عام حالات میں فجر کی نماز میں ''قنوت'' سنت ومستحب نہیں۔

جبکہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک فجر کی نماز میں ''قنوت'' پڑھنا، سنت، یا مستحب ہے۔

(ملاحظہ ہو: الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۴ ص ۵۷ الیٰ ص ۶۰، مادة ''قنوت'')

اور جہاں تک ''وتر کی نماز'' میں ''قنوت'' پڑھنے کا تعلق ہے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک، وتر کی نماز میں سارے سال ''قنوت'' پڑھنا واجب ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک، وتر کی نماز میں قنوت سنت ہے۔

اور مذکورہ حضرات کے نزدیک دعائے قنوت، رکوع سے پہلے ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک، وتر کی نماز کی آخری رکعت میں سارے سال قنوت پڑھنا، رکوع کے بعد سنت ہے۔

جبکہ بعض دیگر فقہاء کے نزدیک، وتر کی نماز میں پورے سال ''قنوت'' پڑھنا مستحب درجہ کا عمل ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک وتر کی نماز میں صرف ماہِ رمضان، یا ماہِ رمضان کے آخری نصف حصہ میں ہی ''قنوت'' پڑھنا مستحب ہے۔

(ملاحظہ ہو: الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۴ ص ۶۱ الی ۶۴ ملخصاً، مادة ''قنوت'')

اور جہاں تک ''قنوتِ نازلہ'' کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے نزدیک، وتر کی نماز کے علاوہ، دوسری نمازوں میں مخصوص حالات میں ''قنوتِ نازلہ'' پڑھنا جائز ہے۔

اور بعض فقہاء کے نزدیک ''قنوتِ نازلہ'' صرف، فجر کی نماز میں ہی پڑھنا جائز ہے۔

جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک مسلمانوں پر جب کوئی بلاء، جیسا کہ وباء، قحط، ضرر والی بارش، نازل ہو،

اس وقت تمام فرض نمازوں میں ''قنوتِ نازلہ'' پڑھنا جائز، یا مستحب ہے۔
باقی جزوی مسائل میں فقہاء کی آراء، ایک دوسرے سے مختلف ہیں، جن کی تفصیل فقہی کتابوں میں مذکور ہے۔

(ملاحظہ ہو:الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج ۳۴ ص ٦٦ الىٰ ص ٦٨ ، مادة ''قنوت'')

لعنت کرنے کا حکم

پیچھے گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کا نام لے کر لعنت فرمائی تھی، جس سے بعد میں منع کر دیا گیا، اس سے بہت سے فقہائے حنفیہ، شافعیہ، اور حنابلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب تک کافر زندہ ہو، اس پر لعنت کرنا جائز نہیں، کیونکہ فوت ہونے سے پہلے اس کے ایمان لانے اور توبہ کرنے کا احتمال ہے۔

البتہ ابنِ عربی مالکی، اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک زندہ کافر پر لعنت کی ممانعت نہیں، کیونکہ بعض روایات سے زندہ کافروں کا نام لے کر اُن پر لعنت کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور مذکورہ آیت میں جو کافروں کا نام لے کر لعنت سے منع کیا گیا، تو اُن کافروں کے متعلق قضاء وقدر میں یہ طے ہو چکا تھا کہ ان لوگوں میں سے اکثر اسلام قبول کرنے والے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کیا گیا۔

اور اگر نام وغیرہ کی تعیین کے بغیر کافروں پر لعنت کی جائے، یا جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہو جائے، تو اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔

جہاں تک کسی متعین فاسق وگناہ گار مومن پر لعنت کرنے کا تعلق ہے، تو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے مذہب کے مطابق اور بعض مالکیہ کے نزدیک، متعین فاسق وگناہ گار مومن پر لعنت کرنا جائز نہیں، اسی بناء پر بہت سے حضرات نے یزید کا نام لے کر اس پر لعنت سے سکوت واجتناب کیا ہے، البتہ بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک متعین فاسق وگناہ گار مومن پر لعنت کرنا جائز ہے۔

اور کسی کی تعیین کے بغیر فاسق وگناہ گار مومن پر لعنت کرنا جائز ہے، جیسا کہ یہ کہا جائے کہ ''جھوٹے، یا زانی پر اللہ کی لعنت ہو''۔

(ملاحظہ ہو:الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج ۳۵ ص ۲۷۳ ، ۲۷۴ ، مادة ''لعن'')

www.idaraghufran.org

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

برزخ وقبر کی حیات، اور جسم وروح کا تعلق (قسط19)

محمود شکری آلوسی کا حوالہ

اورعلامہ آلوسی (صاحبِ روح المعانی) کے پوتے محمود شکری آلوسی (المتوفیٰ :1342ھ) فرماتے ہیں:

فالصلاة والسلام عليه صلى الله عليه وسلم في مسجده وسائر المساجد وسائر البقاع مشروع بالكتاب والسنة والإجماع. وأما السلام عليه عند قبره من داخل الحجرة فهذا كان مشروعا لما كان ممكنا بدخول من يدخل على عائشة. وأما تخصيص هذا السلام والصلاة بالمكان القريب من الحجرة فهذا محل النزاع، وللعلماء في ذلك ثلاثة أقوال(غاية الأماني في الرد على النبهاني، ج ا، ص ۲۱۹، الكلام على قول النبهاني أن الوهابية مبتدعة غير أن ضررهم دون من قبلهم)

ترجمہ: پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام پڑھنا، مسجدِ نبوی اور تمام مساجد میں اور تمام مقامات میں کتاب وسنت اور اجماعِ امت کی رُو سے مشروع ہے۔ جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب حجرے کے اندر سلام کا تعلق ہے، تو یہ اس شخص کے لیے مشروع ہے، جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہونا ممکن ہو۔ اور اس صلاۃ وسلام کے حجرے کے قریب جگہ کی تخصیص کا مسئلہ محلِ نزاع ہے، جس کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں (اُن تین اقوال کا ذکر آگے آتا ہے) (غایۃ الأمانی)

محمود شکری آلوسی کا دوسرا حوالہ

علامہ محمود شکری آلوسی مذکورہ تالیف میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وبالجملة؛ فمن قال إنه يسلم سلام التحية الذي يقصد به الرد فلا بد من تحديد مكان ذلك فإن قال :إلى أن يسمع ويرد السلام فإن حد في ذلك ذراعاً أو ذراعين أو عشرة أذرع، أو قال :إن ذلك في المسجد كله أو خارج المسجد؛ فلا بد له من دليل. والأحاديث الثابتة عنه فيها أن الملائكة يبلغونه صلاة من صلى عليه وسلام من يسلم عليه، ليس في شيء منها أنه يسمع بنفسه ذلك. فمن زعم

أنـه يسمع ويرد من خارج الحجرة من مكان دون مكان فلا بد له من حد، ومعلوم أنه ليس فى ذلك حد شرعي وما أحد يحد فى ذلك حداً إلا عورض بمن يزيده أو ينقصه ولا فرق .وأيضاً فذلك يختلف باختلاف ارتفاع الأصوات وانخفاضها، والسنة للمُسَلِّم فى السلام عليه خفض الصوت، ورفع الصوت فى مسجده منهى عنه بالسلام والصلاة وغير ذلك. بخلاف المسلّم من الحجرة، فإنه فرق ظاهر بينه وبين المسلّم عليه من المسجد، ثم السنة لمن دخل مسجده أن يخفض صوته، فالمسلّم عليه إن رفع الصوت أساء الأدب برفع الصوت فى المسجد، وإن لم يرفع لم يصل الصوت إلى داخل الحجرة. وهذا بخلاف السلام الذى أمر الله به ورسوله، الذى يسلّم الله على صاحبه كما يصلّى على من صلّى عليه، فإن هذا مشروع فى كل مكان لا يختص بالقبر .وبالجملة؛ فهذا الموضع فيه نزاع قديم بين العلماء على كل تقدير (غاية الأماني فى الرد على النبهاني، ج ۱، ص ۲۵۴، الكلام على قول النبهاني أن الوهابية مبتدعة غير أن ضررهم دون من قبلهم)

ترجمہ: اور خلاصہ یہ کہ جس شخص نے یہ کہا کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر) وہ والا سلام کرے، جو ''سلامِ تحیہ'' کہلاتا ہے، جس کے جواب کا قصد کیا جاتا ہے، تو اس کے لیے مکان کی تحدید ضروری ہے، اگر مذکورہ شخص یہ کہے کہ اتنے قریب سے یہ سلام کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام کو سنیں، اور سلام کا جواب دیں، اور اس کے لیے ایک ذراع، یا دو ذراع، یا دس ذراع کی حد بندی کی جائے، یا مذکورہ شخص یہ کہے کہ یہ حکم پوری مسجدِ نبوی کے لیے ہے، یا خارجِ مسجد کے لیے بھی ہے، تو اس سب کے لیے دلیل کا پیش کرنا ضروری ہوگا۔ اور اس سلسلے میں جو احادیث ثابت ہیں، وہ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو شخص درود وسلام بھیجتا ہے، تو اس کے درود وسلام کو فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے ہیں، مگر ان احادیث میں ایسی کوئی بات بھی مذکور نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس درود وسلام کو بنفسِ نفیس سماعت فرماتے ہوں۔ پس جس شخص کا یہ گمان ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کے باہر، کسی مقام سے کیے ہوئے سلام کو سنتے، اور جواب دیتے ہیں، اور کسی مقام سے کیے ہوئے سلام کو نہیں سنتے، تو اس مذکورہ شخص کے ذمہ کسی مکان کی حد بندی کرنا ضروری ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ اس سلسلے میں کوئی شرعی حد موجود نہیں، اور جو کوئی شخص بھی اس سلسلے میں کوئی حد بندی بیان کرے گا، تو اس کے مقابلے میں کوئی ایسا عارض آجائے گا، جو اس حد بندی میں زیادتی، یا کمی کا باعث بنے،

ایسی صورت میں کوئی فرق نہ ہو سکے گا، نیز آوازوں کے بلند ہونے، اور آوازوں کے پست ہونے کے اختلاف سے بھی اس حد بندی میں اختلاف و فرق واقع ہو سکتا ہے (یعنی ممکن ہے کہ ایک ہی مقام سے ایک شخص کچھ اونچی آواز سے سلام کرے، جس کی آواز قبر تک پہنچے، اور دوسرا شخص اسی مقام سے کچھ آہستہ آواز سے سلام کرے، جس کی آواز قبر تک نہ پہنچ سکے) اور دوسری طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، سلام کرنے والے کے لیے یہ بات سنت ہے کہ وہ اپنی آواز کو پست کرے، اور مسجدِ نبوی میں آواز کو بلند کرنا ممنوع ہے، خواہ صلاۃ وسلام کی آواز ہو، یا دوسری آواز ہو۔ بخلاف اس شخص کے، جو حجرہ میں سلام کرنے والا ہو، کیونکہ حجرہ کے اندر سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے والے اور مسجد سے سلام کرنے والے کے درمیان، فرق بالکل ظاہر ہے، پھر مسجدِ نبوی میں داخل ہونے والے کے لیے ایک سنت یہ ہے کہ وہ اپنی آواز کو پست رکھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرنے والا، اگر آواز کو بلند کرے گا، تو مسجد میں آواز کو بلند کر کے وہ بے ادبی کا مرتکب ہوگا، اور اگر وہ آواز کو بلند نہیں کرے گا، تو اس کی آواز، حجرہ کے اندر نہیں پہنچ پائے گی۔ اور یہ اس سلام کے برخلاف ''سلام'' ہے، جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم فرمایا ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے، تو اللہ اس پر سلام بھیجتا ہے، جیسا کہ وہ شخص جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے، تو اس پر اللہ، رحمت نازل فرماتا ہے، کیونکہ یہ تو درود وسلام ہر جگہ مشروع ہے، اور قبر (یا حجرہ) کے ساتھ مختص نہیں۔ اور خلاصہ یہ کہ یہ ایسا مقام ہے کہ جس میں بہر صورت، علماء کے درمیان، قدیم اختلاف پایا جاتا ہے (غایۃ الأمانی)

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر سلام کے بلا واسطہ، یا بالواسطہ سننے، اور قریب و بعید کی حد بندی کے مسئلہ میں علماء کا قدیم سے اختلاف ہے۔ لہٰذا کسی ایک عبارت، یا ایک سلسلہ کی عبارات سے اس کو اجماعی و متفق علیہ مسئلہ سمجھ لینا، غلط فہمی کا باعث ہے۔ بہت سے ایسے مسائل ہیں، جن کے متعلق اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے، لیکن قابلِ حجت اجماع ان کے متعلق باسند طریقہ پر ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس سماع کی کسی خاص کیفیت سے اختلاف کو ''حیاتِ انبیائے کرام'' کے خلاف سمجھ لینا بھی درست نہیں۔ (جاری ہے............)

www.idaraghufran.org

مقالات ومضامین

مفتی محمد رضوان

افادات وملفوظات

متعصبین ومتشددین کے الزامات واتہامات کی حقیقت

(28-شعبان المعظم-1444ھ)

اہلُ السنۃ کے علاوہ جتنے فرقے ہیں، ان سب کے بارے میں اصولی طور پر جمہور مجتہدین وفقہائے کرام، اوران کی اتباع میں جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ ان کی علی الاطلاق تکفیر نہ کی جائے، جس کے متعلق ان کی طرف سے انتہائی مستحکم شرعی وفقہی دلائل بھی قائم کئے جاتے رہے، ساتھ ہی تکفیر کرنے والوں کے مستدلات کے جوابات بھی تحریر کئے جاتے رہے۔

مذکورہ موقف کے ثبوت کے دلائل وبراہین بہت زیادہ ہیں، جو مستند حوالہ جات وعبارات کی شکل میں موجود ہیں، اور بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اپنے مختلف مضامین میں اس طرح کے متعدد حوالہ جات کو نقل کردیا ہے۔

ابوالحسن شہاب الدین ہارون بن بہاؤالدین مرجانی حنفی (المتوفیٰ:1306ھ) ''حزامۃُ الحواشی لازالۃ الغواشی علی التوضیح''میں فرماتے ہیں:

مذهب جمهور المحققين عدم تكفير الروافض مع انكارهم خلافة ابى بكر وعمر وقد نص على ذالک ابو حنيفة والشافعى رحمهما الله وغيرهما، بل فى المحيط وغيره انه مذهب جمهور الفقهاء (حزامة الحواشى لإزاحة الغواشى على التوضيح، ج٣،ص٢٠٧، الناشر: المطبعة الخيرية، القاهرة، مصر، تاريخ النشر: 1322هـ، 1904م)

ترجمہ: جمہور محققین کا مذہب ''روافض کی عدمِ تکفیر'' کا ہے، ان کے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرنے کے باوجود، اوراس کی امام ابوحنیفہ، اور امام شافعی رحمہما اللہ وغیرہما نے تصریح کی ہے، بلکہ محیط وغیرہ میں ہے کہ یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے (حزامۃ الحواشی)

www.idaraghufran.org

البتہ ماضی قریب میں بعض علماء ومشائخ نے شیعہ، یا روافض کی علی الا طلاق تکفیر کی، جس میں علماء ومشائخِ دیوبند کا ایک بڑا طبقہ بھی داخل ہے، اس موضوع پر ان حضرات نے نیک نیتی اور دیانت داری کے طور پر بعض مضامین، کتب ورسائل بھی تحریر وتصنیف کئے۔

لیکن دیگر علماء ومشائخِ دیوبند نے جمہور کے سابق موقف کو ہی برقرار رکھا، اور ان کو جمہور کے بیان کردہ دلائل پر ہی شرح صدر حاصل رہا۔

دوسرے فقہی واجتہادی مسائل کی طرح دونوں طرف کے علماء اپنے اپنے موقف کو نیک نیتی کے ساتھ اختیار کرتے اور ترجیح دیتے رہے، جس میں ایک دوسرے پر نہ گمراہی کا حکم لگایا گیا، نہ دوسرے کو اپنے موقف کے ماننے پر مجبور ومصرور کیا گیا، اور ایک دوسرے کے احترام کے ساتھ معاملہ چلتا رہا۔

لیکن آج ہمارے دور میں سابق علماء کی طرف اپنی نسبت ظاہر کرنے والا ایسا مخصوص متشدد، ومتعصب تکفیری گروہ پیدا ہوگیا ہے، جو جمہور کی اتباع میں ''شیعہ وروافض کی علی الاطلاق عدمِ تکفیر'' کا قول کرنے والے حضرات پر طرح طرح کی الزام تراشیوں پر اتر آیا ہے۔

حالانکہ اس گروہ کا یہ طرزِ عمل کسی طرح بھی ان اکابر ومشائخ کے موافق نہیں، جس کی طرف یہ گروہ بڑے دھڑلے کے ساتھ اپنی نسبتیں، بیان کرتا ہے، اور رات دن ان اکابر ومشائخ کی شان میں رطبُ اللسان رہتا ہے، بلکہ ان کے نام سے اپنے روزگارِ زندگی کو چلاتا ہے۔

چنانچہ یہ تکفیری متشدد گروہ جمہور کے اختیار کردہ موقف اور ان کے بیان کردہ دلائل کے نقل کرنے پر کبھی ''اہلِ تشیع کی ناجائز وکالت اور بے جا دفاع میں مگن ہونے'' کا الزام عائد کرتا ہے، جو اس گروہ کی ضد وعناد اور کم علمی کی علامت ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ گروہ اتنا لاعلم ہے کہ اس کو ناجائز وبے جا وکالت کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جو موقف قرآن وسنت، جمہور اہلُ السنۃ، ائمہ مجتہدین وفقہائے کرام کی اتباع پر مبنی اور ان کے موقف کے مطابق ہو، وہ درحقیقت ''قرآن وسنت اور جمہور اہل السنۃ اور ائمہ مجتہدین وفقہائے کرام کی وکالت وترجمانی'' پر مبنی شمار ہوتا ہے، اور اس پر مذکورہ الزام دھرنا دراصل ''نفس کی بے جا وکالت وترجمانی'' کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

اس طرح کے لوگ ''اپنے نفس کی پیروی اور وکالت'' کو چھپانے کے لئے دوسرے پر اس طرح کے الزامات دھرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

کبھی یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ علی الاطلاق تکفیر نہ کرنے کے موقف اور اس کے دلائل سے شیعیت کو فائدہ اور سنیت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ مگر ان کم علم لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جمہور اہل السنۃ کے موقف اور ان کے دلائل سے تو اہلُ السنۃ کو فائدہ پہنچا کرتا ہے۔

اور اگر ان لوگوں کو اپنے ہی جمہور محققین کی مخالفت کا زیادہ شوق ہے، تو پھر اس سے کس کو فائدہ اور کس کو نقصان پہنچے گا؟ اس کا جواب بالکل واضح ہے۔

کبھی یہ تکفیری متشددین لوگ جمہور اہلُ السنۃ کے موقف اور ان کے دلائل کو بالکل غیر سنجیدہ اور انتہائی مضحکہ خیز قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان متشددین کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جمہور محققین اہل السنہ کے بیان کردہ موقف اور اس کے دلائل کو غیر سنجیدہ و مضحکہ خیز کہنے کی نسبت کس کی طرف لوٹتی ہے؟

اور کبھی یہ لوگ اس موقف کو محققین اہل سنت دیوبند کے خلاف قرار دیتے ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان متشددین لوگوں کی نظر میں محققین اہلِ سنت دیوبند کا موقف، ان سابق جمہور اہلُ السنۃ کے خلاف ہے، جن کے متواتر حوالہ جات اس مسئلہ پر شاہدِ عدل ہیں۔

اور کبھی یہ لوگ جمہور اہل السنۃ کے موقف اور ان کے دلائل کے بیان کرنے کو اس میدان کے محققین اہل سنت دیوبند کی دیانت اور ان کی فہم پر اعتماد نہ ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔

لیکن ان لوگوں نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ خود ان لوگوں کو جمہور مجتہدین وفقہاء کی دیانت اور ان کی فہم پر کس قدر اعتماد ہے؟ اور اس خود ساختہ اصول کے نتیجہ میں تو امام ابوحنیفہ کے تلامذہ بھی زَد میں آجاتے ہیں، جنہوں نے سینکڑوں مسائل میں امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیا، بلکہ ہر دور کے مذکورہ صفت کے حامل علماء واکابر پر یہی الزام عائد کرنا لازم آتا ہے۔

اور کبھی یہ لوگ اس موقف کو شیعہ مذہب کے اصولوں سے ناواقفیت، یا تجاہل پر مبنی قرار دیتے ہیں۔

حالانکہ یہ لوگ دراصل خود ہی جس طرح اہلُ السنۃ متکلمین کے تکفیر کے احتیاط پر مبنی اصولوں سے ناواقف اور جاہل ہیں، اسی طرح شیعہ مذہب کے فرقوں اور اصولوں سے بھی ناواقف اور جاہل ہیں، اور الزام دوسرے پر عائد کرتے ہیں۔

اور کبھی یہ لوگ جمہور اہل السنہ کے موقف کے دفاع کو سنجیدگی، شرافت اور اخلاقیات کا اوڑھا ہو البادہ اتارنے سے تعبیر کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ تکفیری متشدد لوگ خود شروع سے ہی سنجیدگی، شرافت اور اخلاقیات سے محروم ہیں، اور جب ان کی غیر سنجیدہ باتوں کا کچھ صاف جواب دیا جاتا ہے، تو ان کو دوسرے میں عیب نظر آتے ہیں، یہ لوگ دراصل چاہتے ہیں کہ خود تو سب کچھ کہتے رہیں، اور دوسرا خاموش تماشائی بنا رہے۔

اور کبھی یہ لوگ اس موقف کے اختیار کرنے پر ''رنگ برنگی تحقیقات'' اور ''زیرِ تعمیر مجتہد'' کا طعنہ دیتے ہیں۔

جبکہ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ان کو اجتہاد کی حقیقت، اس کی اقسام وانواع، اور اس کے استمرار وانقطاع، اور اس کے حسن وقبح کے ابجد تک کا بھی علم نہیں۔

ان لوگوں نے اپنے متشددانہ تکفیری موقف سے اختلاف کرنے والے کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے کی غرض سے، فرصت میں بیٹھ کر اس طرح کے جملے طعن وتشنیع کے طور پر گھڑے ہیں، حالانکہ یہ اہلِ باطل کا طریقہ ہے، اہلِ حق کا یہ طریقہ ہرگز نہیں، جس طرح اہلِ حق کو ''وہابی'' کہا جاتا ہے، اسی طرح سے اس طرح کے طعنوں کا بھی معاملہ ہے۔

جبکہ قیامت تک موجود رہنے والی جماعتِ حقہ کی یہ صفت ہے کہ وہ اس طرح کے ملامتی لوگوں کے طعنوں سے متاثر نہیں ہوتی، اور وہ طعنوں کے مقابلہ میں دلائل وبراہین سے غالب رہتی ہے۔

اور زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ یہ متشدد تکفیری گروہ جلیل القدر بزرگوں سے بھی نسبت رکھتا ہے، یا پھر ان کی طرف اپنا انتساب کرتا ہے، لیکن اس خارجی ذہنیت کے حامل گروہ کے طرزِ عمل، اور اندازِ کلام کا درحقیقت ان جلیل القدر بزرگوں سے دور کا تعلق نہیں ہوتا، اور محض ظاہری ونسبی، یا زبانی وکلامی نسبت کا حقیقت سے تعلق نہیں ہوا کرتا۔

ہم یہ بات بار بار واضح کر چکے ہیں کہ اس طرح کے الزامات واتہامات کی بناء پر علمی دنیا میں یہ گروہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا، البتہ اپنے جیسے لوگوں میں اپنی بات کو موثر بنانے کے لئے اس طرح کی باتیں، وقتی ٹھنڈ اور نفس کی تسکین پیدا کرنے کے کام آسکتی ہیں۔

یہ گروہ جس قدر اس مسئلہ میں شدت اختیار کرے گا، اسی حیثیت سے اس کا دلائل وبراہین سے جواب دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اس گروہ کی اس قسم کی حرکات کی وجہ سے کئی علمی وتحقیقی مضامین

مجتمع ہوگئے، اور اگر یہ گروہ ایسی حرکات میں مبتلاء نہ ہوتا، تو شاید اس کی نوبت نہ آتی۔

اب یہ گروہ اپنی حرکات وسکنات سے بزبانِ حال یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس جو بعض بزرگوں کی طرف سے تحریر شدہ مواد ہے، اس پر بھی دوسروں کی طرف سے جمہور محققین کے حوالہ جات وعبارات کی روشنی میں علمی وتحقیقی مواد پیش کیا جائے، تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ ان بزرگوں کا موقف کون کون سے اسلاف کے موافق، یا خلاف ہے، اور ایسی صورت میں کس کا موقف زیادہ راجح کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ اور ہم یہ بات متعدد مرتبہ باحوالہ واضح کرچکے ہیں کہ اس نوعیت کے مسائل میں اپنے چند بزرگوں کے مقابلہ میں اصل مجتہدین واسلاف کے قول کو راجح قرار دینے میں مذکورہ بزرگوں کی شان میں کسی قسم کی بے احترامی وبے ادبی کا عنصر نہیں پایا جاتا، لیکن یہ گروہ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد پر بدستور قائم ہے، اگر اس گروہ کو اپنے اختیار کردہ اس مخترع اصول پر زیادہ ہی اصرار ہے، تو پھر دوسرے کو بھی یہ کہنے کا جواز پیدا ہوسکتا ہے کہ اس مخترع اصول کی رو سے تو مذکورہ بزرگ بھی اپنے بزرگوں کی بے احترامی وبے ادبی کے مرتکب ٹھہریں گے، جس کو یہ گروہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

ہم دلائل کے ساتھ بار بار واضح کرچکے ہیں کہ کسی پر کفر کا حکم لگانے میں، انتہائی احتیاط کا حکم ہے، اور یہ آخری درجہ کا حکم ہے، جس پر دین دار محتاط شخص بآسانی جرأت نہیں کرسکتا۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کفر آخری جرم ہے، اس کا فتویٰ بھی سب سے آخر میں ہے............ اگر کوئی مسلمان، کسی کافر کو زندگی بھر کافر نہ کہے، تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، اور اگر کسی مسلمان کو کافر کہہ دے، تو اس پر شدید مواخذہ ہے'' (ملفوظات فقیہ الامت، ج۱، ص۱۹، قسط سادس، مسائلِ فقہیہ، مکتبہ: دارالایمان سہارن پور، یوپی، انڈیا، سنِ اشاعت ۲۰۰۲ء)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''اگر کسی شخص کے کلام کی ننانوے توجیہ کفر کی ہوسکتی ہوں، اور ایک توجیہ کفر کی نہ ہوسکتی ہو، تو اس کی تکفیر نہ کریں گے'' (ملفوظات فقیہ الامت، ج۱، ص۴۵، مآثر علمیہ، مکتبہ: دارالایمان سہارن پور، یوپی، انڈیا، سنِ اشاعت ۲۰۰۲ء)

www.idaraghufran.org

اور ہم جس دور سے گزر رہے ہیں،اس میں سوشل میڈیا کے ذریعہ معلومات کو خوب پھیلایا جاتا ہے،جس سے بعض لوگ یہ گمان کر لیتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں علم خوب پھیل گیا ہے۔

حالانکہ اس قسم کی معلومات کو''حقیقی علم''سمجھ لینا ہی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں''حقیقی علم'' سے جہالت بہت پھیل گئی ہے، ہر طرف جہالت کے گہرے بادلوں نے سایہ کر رکھا ہے، جو مقامات کسی زمانے میں علم کے مراکز شمار کئے جاتے تھے، وہاں بھی جہالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے، جو حضرات اپنے زمانہ میں علم کے پہاڑ شمار کئے جاتے تھے،ان کے بہت سے پس ماندگان، نسبی وارثان، جانشین، ومریدین، اور خلفائے کرام بھی علم کے نام پر جہالت میں مبتلاء ہیں۔

احادیث میں اس طرح کے حالات کی بہت پہلے پیش گوئی فرمادی گئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:إِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْزِعُ الْعِلْمَ مِنَ النَّاسِ بَعْدَ أَنْ یُّعْطِیَھُمْ إِیَّاہُ، وَلٰکِنْ یَذْھَبُ بِالْعُلَمَاءِ، کُلَّمَا ذَھَبَ عَالِمٌ ذَھَبَ بِمَا مَعَہُ مِنَ الْعِلْمِ، حَتّٰی یَبْقَی مَنْ لَا یَعْلَمُ، فَیَتَّخِذَ النَّاسُ رُؤَسَاءَ جُھَّالًا، فَیُسْتَفْتَوْا، فَیُفْتُوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ، فَیَضِلُّوْا، وَیُضِلُّوْا (مسند احمد،رقم الحدیث ٦٨٩٦)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ لوگوں کو علم عطاء فرمانے کے بعد ان سے علم کو نہیں چھینتا،مگر علماء کو لے جاتا (یعنی علماء کو وفات دے دیتا) ہے، جب جب بھی کوئی عالم چلا جاتا ہے،تو اس کے ساتھ علم بھی چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ لاعلم لوگ ہی باقی رہ جاتے ہیں،جس کے بعد لوگ''جاہلوں'' کو ہی رئیس (یعنی اپنا بڑا،استاذ، پیر، شیخ، مفتی وغیرہ) بنا لیتے ہیں، پھر وہ لوگ ان جاہلوں سے فتویٰ حاصل کرتے ہیں،اور وہ جاہل ان کو بغیر علم کے فتویٰ دیتے ہیں، پھر وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں،اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں (مسند احمد)

مقالات ومضامین مولانا شعیب احمد

بیٹیاں رحمت ہیں

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے زمانۂ جاہلیت کی ایک خرابی یہ بھی تھی کہ بیٹی کی پیدائش کو معیوب سمجھا جاتا تھا اور برا خیال کیا جاتا تھا۔ بیٹوں کی پیدائش پر تو وہ لوگ بڑی خوشیاں مناتے تھے لیکن جس کے ہاں بچی پیدا ہو جاتی تو اس کو بڑا غم، صدمہ اور پریشانی لاحق ہو جایا کرتی تھی۔ قرآن بتلاتا ہے کہ:

" وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ "(سورة النحل : ۵۸)

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی، تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا، اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا'' (النحل)

اسی جذبہ سے مغلوب ہو کر بعض سخت دل لوگ اپنی نومولود بچیوں کو زندہ دفن بھی کر دیا کرتے تھے۔ قساوتِ قلبی کی انتہاء تھی کہ اپنی ہی بیٹی کو زندہ درگور کرنے میں انہیں کوئی عار نہ ہوتی اور نہ ہی اس فعلِ شنیع سے ان کے ضمیر پر کوئی بوجھ ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر عرب سماج کے اس ستم کو ختم کیا اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس انسانیت سوز رسم اور ظالمانہ رواج کو توڑا۔ آپ نے بیٹیوں کو تحفظ دلایا اور لوگوں کو بیٹیوں کے حقوق بتائے۔ اُن کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرنے کی اہمیت اور فضیلت سے روشناس کرایا۔ چنانچہ ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

" مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ "

(صحيح مسلم : ۱۴۹ . ۲۶۳۱ ، كتاب البر والصلة والآداب)

''جس نے دو بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ سمجھداری کی عمر کو پہنچ گئیں تو میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح اکٹھے آئیں گے، اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا'' (مسلم)

بچیوں کی پرورش، ان کی ضروریات وحاجات پوری کرنے اوران کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی اہمیت اورفضیلت مذکورہ حدیث سے بخوبی واضح ہے۔لیکن بیٹیوں کو برااورکمتر سمجھنے کی غلط سوچ اور جاہلانہ روایت اب بھی ہمارے معاشرے میں بسااوقات دکھائی دیتی ہے۔چنانچہ بعض نادان لوگ اپنی اہلیہ سے بیٹے کی پیدائش کا مطالبہ کرتے ہیں اور بیٹی کی پیدائش پراس کومورد ِالزام ٹھہراتے ہیں (گویااولاد کی جنس کاتعین عورت کے اختیار میں ہے)بعض جگہوں پرسسرال کی طرف سے بیٹی کی پیدائش پرخاتون کوطعن وتشنیع کانشانہ بنایاجاتاہے، جیسے ایک بیٹی کوجنم دے کراس نے کوئی جرم کیا۔ جبکہ کچھ لوگ اگرچہ بیٹی کی پیدائش پر برسرِ عام اپنی زبان سے ناگواری ظاہر نہ کرتے ہوں، لیکن دَبے لفظوں میں کسی نہ کسی طریقہ سے بیٹی کی پیدائش پرناپسندیدگی کااظہار کرہی ڈالتے ہیں اوربعض لوگ بیٹیوں کے مقابلے میں بیٹوں کوزیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہ سب جاہلیت کی ہی باقیات ہیں جسے اسلام بالکل بھی پسندنہیں کرتا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کاواضح فرمان ہے کہ:

لَا تَكْرَهُوا الْبَنَاتَ، فَإِنَّهُنَّ الْمُؤْنِسَاتُ الْغَالِيَاتُ (مسند احمد،رقم الحديث ١٧٣٧٣)

"بیٹیوں کوبُرانہ سمجھا کرو، وہ توبڑی خیرخواہ اورانمول ہوا کرتی ہیں"

ممکن ہے کہ معاشرہ میں بیٹیوں کوکمتر سمجھنے کی ایک وجہ یہ خیال ہوکہ بیٹا تو کما سکتا ہے جبکہ بیٹیوں کو عموماً خودکماکرکھلاناپڑتاہے۔لیکن کیاخبرکہ ہمیں خوداُنہی بیٹیوں کے طفیل روزی مل رہی ہوجنہیں ہم بوجھ سمجھ رہے ہوں۔کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافرمان ہے کہ:

" فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ" (سنن الترمذي، رقم الحديث: ١٧٠٢، أبواب الجهاد، باب ما جاء في الاستفتاح بصعاليك المسلمين)

"تمہیں کمزوروں کی وجہ سے رزق دیاجاتاہےاوران کی وجہ سےتمہاری مددکی جاتی ہے"

(ترمذی)

اس لیے جس شخص کوبھی اللہ نے بیٹی کی نعمت سے نوازرکھا ہوتووہ اس دولت پرخداکاشکراداکرے اوربیٹی کوخداکی رحمت سمجھے۔بیٹیوں کوناپسندکرناایسے ہی براہے جیسے خداکی کسی عظیم نعمت کی ناقدری کرنابراہے۔

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط27) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف

گزشتہ اقساط میں فقہ مالکی کا مختصر تعارف ومنہج، فقہی اصول، بنیادی مآخذ، اوراس ضمن میں امام مالک رحمہ اللہ کی مختصر سوانح حیات، فقہی ذوق اورامام مالک کے چند کبار تلامذہ واصحاب کا ذکر گزر چکا، چندمزید تلامذہ اوراصحاب کا ذکر مختصراً کیا جاتا ہے۔

(5)......اسد بن فرات بن سنان

''أسد بن فرات بن سنان'' افریقہ سے تعلق رکھنے والے مشہور مالکی عالم، فقیہ، محدث، مجتہداور مجاہد تھے، امام مالک رحمہ اللہ کے مایۂ ناز شاگردوں میں سے ہیں، فقہ مالکی کی نشر واشاعت اور ترجمانی میں سر فہرست ہیں، موجودہ تیونس (Tunisia) کے مشہور شہر قیروان کے (Kairouan) قاضی تھے، وقت کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ غازیوں میں بھی شمار ہوتا تھا، جہاد فی سبیل اللہ میں متعدد معرکے فتح کیے، اور بالآخر جہاد کرتے کرتے شہید بھی ہوئے، آپ کو ''الفقیہ المغربی المالکی''(یعنی اندلس اوردیگر مغربی ممالک کے فقیہ) کے لقب سے بھی جانا جاتا ہے، ولادت باسعادت 142ہجری میں ہوئی۔ مدینہ میں امام مالک رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا، اور پھر عراق تشریف لے گئے، وہاں امام ابو یوسف اورامام محمد سے علمی استفادہ کیا، اس طرح ''فقہ المدینۃ''اور''فقہ العراق'' کے جامع اوران دونوں علمی مراکز کے بیش بہا علوم کو اپنے سینے میں سموئے ہوئے تھے۔

تحصیل علم کے لیے حجاز، عراق اور مصر کے اسفار

دینی علوم کی ابتداء مشہور مالکی فقیہ ومفتی ''علی بن زیاد طرابلسی تیونسی'' (متوفی: 183ھ) سے کی، کیونکہ اُن دنوں تیونس میں علی بن زیاد کے حلقۂ درس کی طرف ہی زیادہ رجوع کیا جاتا تھا، اس لیے آپ نے بھی اُن سے علم حدیث وفقہ کی تحصیل کی، کہا جاتا ہے کہ موطأ امام مالک آپ نے

سب سے پہلے علی بن زیاد سے ہی پڑھی (جن کا ذکران شاءاللہ آئندہ آنے والی اقساط میں کیا جائے گا)

چنانچہ 176ہجری میں تکمیل علم کے لیے مشرق کے سفر پر روانہ ہوئے، اور مدینہ منورہ پہنچ کر امام مالک کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔امام مالک رحمہ اللہ کا حلقۂ درس ایک خاص ہیئت وطریقہ پر مشتمل تھا، وہ یہ کہ آپ موطأ کے درس میں طلبہ کے سوالات کے جوابات دیا کرتے تھے، جنہیں یہ حضرات لکھتے تھے، چنانچہ عبدالرحمٰن بن قاسم اور عبداللہ بن وہب ، امام مالک رحمہ اللہ کے نامور تلامذہ میں سے تھے، اوران دونوں حضرات کوامام مالک کے حلقہ درس میں خاص مقام حاصل تھا، ان کی مثال امام ابوحنیفہ کے اصحاب امام ابو یوسف اورامام محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ کی سی تھی ، اور زیادہ تر سوالات کے جوابات یہی دونوں حضرات لکھا کرتے تھے،امام مالک رحمہ اللہ طبعی طور پر قیل وقال کو پسند نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ آسان اور سادہ انداز میں روایات کی بنیاد پر جواب دیا کرتے تھے، اسی وجہ سے آپ کے تلامذہ اپنے طالب علمانہ خدشاتِ دِلی کو پیش کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔

چنانچہ جب اسد بن فرات امام صاحب کی مجلس میں شریک ہوئے، تو ابنِ قاسم اور دیگر نے اُن کے ذریعہ سے اپنے علمی اعتراضات وخدشات زائل کرنا چاہے، یہ انہیں سوال درسوال سکھاتے تاکہ وہ امام مالک کے سامنے یہ سوالات پیش کرسکیں، بالآخر امام مالک رحمہ اللہ نے اسد بن فرات کو بھی قیل وقال اور کثرتِ سوال سے منع کردیا، اور فرمایا کہ اگر قیل وقال ہی کرنا لازم ہے، تو عراق روانہ ہوجاؤ، وہاں کے فقہاء سے قیل وقال کرو، اس واقعہ کے بعد آپ نے اس قسم کے امور سے اجتناب کرنا شروع کردیا، یہ واقعہ آپ اپنی زبانی خود بھی بیان کرتے ہیں۔

جب مدینہ منورہ میں امام مالک کی مسندِ درس سے سلسلہ تعلیم کی تکمیل ہوگئی، تو آپ کو عراق میں فقہ حنفی کی تحصیل کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ اس نیت سے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور رخصت چاہی، اور امام صاحب نے آپ کو خاص التفات سے رخصت کیا، اور معمول کے مطابق وصیت فرمائی کہ ''میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے تقویٰ، قرآن اور اُس کی اُمت کی خیر خواہی کی وصیت کرتا ہوں'' چنانچہ امام مالک سے تحصیل علم اور رخصت کے بعد قاضی اسد بن فرات عراق چلے گئے، تاکہ وہاں فقہ حنفی کی تحصیل کرسکیں۔

مدینہ منورہ سے تحصیل علم کے بعد اسد بن فرات عراق میں جید علمائے کرام اور شیوخ سے علمی فیض حاصل کرنے پہنچے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب و تلامذہ کے حلقۂ دروس میں شریک ہوئے، خاص طور پر امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن، اور اسد بن عمرو کے حلقوں میں شریک ہوئے، اور اس کے علاوہ دیگر ممتاز فقہائے احناف سے بھی علم فقہ کی تحصیل کی، چنانچہ امام محمد کے حلقہ درس میں آپ کو نمایاں اختصاص حاصل ہوا، اور اُن کے عام دروس کے علاوہ، رات کے وقت بھی اُن سے پڑھا کرتے تھے، اور پھر ان کے اپنے گھر سے دور اور غریب الوطنی ہونے کی بناء پر امام محمد رحمہ اللہ نے ان کی مالی امداد بھی جاری رکھی۔ چنانچہ اسد بن فرات نے فقہ العراق اور فقہ المدینہ کے درمیان توافق پیدا کیا، اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے جو کچھ جمع کیا تھا، اُسے پڑھا، جس طرح موطا مالک پڑھی تھی، اور کے مسائل جمع کیے، آپ کی اسی محنت، جفاکشی اور تحصیلِ علم کے شوق نے امام محمد کے دل پر گہرے نقوش چھوڑے تھے، وہ ان کے آنے کے بعد مجلسوں میں ان کی تعریف فرماتے تھے، صاحب معالم نے لکھا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ ان کی تعریف کرتے تھے، اور ان کے مناظرہ، طریق درس، اور علمِ حدیث کی توصیف و ستائش فرماتے تھے۔

ابھی آپ عراق میں تحصیل علم میں ہی مصروف تھے کہ مدینہ منورہ سے امام مالک رحمہ اللہ کی وفات کی خبر پہنچی، چنانچہ اُسی وقت سے امام مالک کے تلامذہ لوگوں کے لیے مرجع خلائق بن گئے، جن میں اسد بن فرات بھی تھے، اُس کے بعد تو یہ حال ہو گیا کہ جب بھی کوئی امام مالک بن انس کی حدیث و روایت بیان کرنے لگتا، تو ایک خلقت اُس کے گرد اُمنڈ آتی اور اِس قدر مجمع ہو جاتا کہ راستے بند ہو جاتے۔ اسی سلسلہ میں آپ سے بھی بہت سے لوگوں نے امام مالک کی مؤطا کی روایات حاصل کیں، اور اس طرح آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ تحصیلِ علم کی خاطر جن حضرات کے پاس آپ عراق چل کر گئے، اُنہیں حضرات نے اس تشنۂ علم کو سیراب کرنے کے بعد، اس سے اس فیض کے حاصل کرنے کی خواہش کی جو وہ مدینۃ العلم سے ''مؤطا'' کی صورت میں حاصل کر کے لایا تھا۔

چنانچہ امام ابو یوسف نے اسد بن فرات سے مؤطا امام مالک کا درس لیا، پھر جب امام محمد کو اس کی خبر پہنچی، تو فرمایا کہ ابو یوسف علم کی خوشبو سونگھ لیتے ہیں، اور اس کے بعد انہوں نے بھی اسد بن فرات

سے مؤطا کے درس کی خودخواہش ظاہر کی، اور اس حیثیت سے آپ کی شخصیت اسلام کے دو اہم مذاہب کے اساطین اولین کے درمیان ایک سلسلۃ الذہب قرار پاتی ہے۔

اسد بن فرات نے مشرق میں فقہ مالکی وحنفی کی تحصیل کے علاوہ علمِ حدیث پر بھی نظر رکھی، صاحبین سے تحصیلِ حدیث کا ذکر تو گزر چکا، ان کے علاوہ شیوخ عراق میں سے ''یحییٰ بن زکریا بن أبی زائدۃ، ابوبکر بن عیاش، مسیّب بن شریک، ہشیم بن شریک'' اور دیگر اہلِ علم سے علم حدیث حاصل کیا، اور ان سے احادیث نقل کیں۔

مصر میں اس وقت عبداللہ بن وہب، أشہب بن عبدالعزیز اور عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہم اللہ فقہ مالکی کے علمبردار تھے، اور یہ تینوں امام مالک رحمہ اللہ کے ایسے جلیل القدر تلامذہ تھے کہ جن کا احترام امام مالک کے تمام شاگرد کرتے تھے، چنانچہ عراق سے واپسی کے بعد اسد بن فرات کی مصر آمد ہوئی، اور یہاں آپ باری باری ان حضرات کے حلقہ درس میں شریک ہوتے۔ آخر میں آپ نے عبدالرحمٰن بن قاسم کی طرف رجوع کیا، یہ اپنے علم وفضل، زہدوتقویٰ، عبادت وریاضت اور کبر سنی کی وجہ سے بڑے احترام سے دیکھے جاتے تھے، علمِ فقہ میں روایت، رائے اور قیاس سب پر یکساں نظر رکھتے تھے اور ابنِ قاسم کی یہی جامعیت، اسد بن فرات کے لئے وجہ کشش تھی۔

ایک دن اِنہوں نے جوشِ عقیدت میں ان کے متعلق مسجد میں بآوازِ بلند کہا کہ اگر مالک بن انس کا انتقال ہو چکا ہے، تو یہ دوسرے امام مالک ہمارے سامنے موجود ہیں، یہ کہتے ہوئے ابنِ قاسم کی طرف اشارہ کیا، اور پھر التزام سے روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

''الأسدیة'' کی تدوین

چنانچہ اس کے بعد آپ کا یہ دستور تھا کہ آپ ابنِ قاسم سے روزانہ فقہی مسائل پر مشتمل سوالات کرتے، وہ جوابات دیتے، اور آپ سوالات وجوابات دونوں کو بالترتیب لکھتے جاتے، اور عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے جوابات میں امام مالک کے فتاویٰ بیان کرتے، ان پر احادیث سے استدلال لاتے، اور قیاس ورائے سے ان جوابوں کی صحت کے ثبوت بہم پہنچاتے، اس طرح یہ سوالات وجوابات ساٹھ اجزاء پر مشتمل ایک مجموعہ کی صورت میں مدون ہوگئے، اور آپ نے اس مجموعہ کو اپنے نام پر

’’الأسدیة‘‘ سے موسوم کیا، اوراس طرح یہ کتاب دنیا میں فقہ مالکی کی اولین کتاب بنی۔

’’الأسدیة ‘‘یہ دراصل’’مدونۃ سحنون ‘‘ہی ہے، یہ کتاب فقہ مالکی کے ان مسائل پر مشتمل ہے، جن کا سماع مصر میں اسد بن فرات نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے کیا تھا، جس کے بعد ابنِ قاسم کے مشہور شاگرد سحنون نے اپنے افریقہ کے سفر کے دوران اس کو اسد بن فرات سے دوبارہ حاصل کیا، اورابنِ قاسم کی خدمت میں پیش کیا، کافی حذف واصلاح کے بعد ’’المدوّنۃ‘‘ کی صورت میں اسد بن فرات کو پیش کرنا چاہا، مگر آپ نے لینے سے انکار کردیا، اور اس طرح ’’الأسدیة ‘‘سحنون کی’’المدوّنۃُ الکبریٰ‘‘میں ضم ہوگئی۔

لیکن اس سب کے باوجود سحنون، مدونہ کی تالیف کے بعد اپنے اصحاب کو اس کتاب کے التزام کا حکم دیا کرتے تھے، اورفرماتے تھے کہ اس میں ایک’’رجلِ صالح‘‘(یعنی اسد بن فرات) کا کلام اوراس کی آراء شامل ہیں(الدیباج المذھب، لابن فرحون، ج ۱، ص ۳۰۵، حرف الالف)

’’الأسدیة ‘‘ کی تدوین کے بعد آپ کو اپنے وطن افریقہ واپسی کا خیال آیا، اس اثناء میں ’’الأسدیة ‘‘ کی شہرت پھیل چکی تھی، جب آپ مصر سے روانہ ہونے لگے، تو ابنِ قاسم نے کچھ سامان ان کے حوالہ کیا، اور کہا کہ افریقہ میں فروخت کرکے اس کی قیمت سے کاغذ خریدا جائے، اور ’’الأسدیة ‘‘ کی نقل ان کے پاس بھیج دی جائے، چنانچہ افریقہ پہنچ کر آپ نے’’الأسدیة ‘‘ کی ایک نقل تیار کروائی، اوراپنے استاد کی خدمت میں ارسال کردی۔

چنانچہ 181 ہجری میں جب اسد بن فرات مصر سے قیروان واپس آئے، آپ کے علم وفضل کی شہرت تو پہلے زبانِ عام تھی، تو یہاں پہنچتے ہی خلقِ خدا کا ہجوم امنڈ آیا، اور یہاں پہنچ کر آپ نے ’’مؤطا امام مالک‘‘اور’’الأسدیة ‘‘ کا درس دینا شروع کردیا۔

امام مالک سے بیک واسطہ احادیث لینے، اور’’الأسدیة ‘‘ کی روایت اور سماع کیلئے افریقہ اورمغرب کے جلیل القدر علماء نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ کیا، اور چند ہی دنوں میں ان کی ’’الأسدیة ‘‘ کی روایت، جسے عرفِ عام میں’’المدونۃ‘‘ بھی کہا جانے لگا تھا، سارے افریقہ ومغرب میں پھیل گئی(الدیباج المذھب، ج ۱، ص ۳۰۵، حرف الالف، الطبقة الوسطی من أصحاب مالک من أھل إفریقیة: أسد بن الفرات بن سنان)

(جاری ہے............)

تذکرۂ اولیاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (قسط78) مولانا محمد ریحان

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستی گورنروں کی تقرری (قسط5)

اہلِ قوم میں سے گورنر کا تعین:

یہ بات تاریخی مشاہدہ اور نوع انسانی کے مطالعہ سے ثابت ہے کہ انسانی افکار میں انسان کے علاقہ،قوم،قبیلہ اور زمان ومکان کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے،اسی فرق کی بناء پر بسا اوقات بلکہ بارہا ایک علاقہ والے کا واسطہ دوسرے علاقہ والے سے پڑتا ہے،یا ایک قوم یا قبیلہ سے تعلق رکھنے والا فرد جب دوسری قوم کے افراد کے ساتھ جا بستا ہے،تو ان میں نہ صرف یہ کہ لین دین کے معاملات میں اختلاف پایا جاتا ہے، بلکہ ان کی زبان،طبیعت،مزاج اور جسمانی ساخت کے فرق کے اعتبار سے آپسی معاملات میں اختلاف لڑائی اور جھگڑے تک کی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور بعد میں جب اسلام نے عرب سے نکل کر عجم میں پنجے گاڑنا شروع کیے،تو قرائت کا اختلاف بھی اسی نوعیت کا تھا، جو کہ زبان اور لہجہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ گورنروں کے تعین کے بارے میں بھی اس قدر معاملہ فہم تھے کہ جب کہیں مصلحت دیکھتے،تو خاص شخص کو اس کی اپنی قوم والوں پر ہی گورنر اور امیر بناتے۔اسی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن بجلی رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم پر،اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو فتح مدائن کے بعد مدائن پر،اور نافع بن حارث کو مکہ پر اور عثمان بن ابوالعاص کو طائف پر گورنر بنایا۔[1]

---

[1] ومن الملاحظ أن عمر بن الخطاب ضى الله عنه كان فى كثير من الأحيان يولى بعض الناس على قومهم اذا رأى فى ذلک مصلحة ورأى الرجل جديرا بالولاية،ومن ذلک تولية جابر بن عبد الله البجلى على قومه بجيله حينما وجههم الى العراق،وكذلک تولية سلمان الفارسى على المدائن بعد فتحها وتوليته نافع بن الحارث على مكة وعثمان بن ابى العاص على الطائف.ولعله كان يرمى من وراء ذلک الى اهداف معينة يستطيع تحقيقها ذلک الشخص اكثر من غيره،ويتمثل هذا بالدرجة الاولىٰ فى تعيين سلمان على المدائن،اذ أنه بذلک يلفت انظار الفرس الى الاسلام،ويستطيع سلمان ان ينشره بينهم ويكون مثلا وقدوة للفرس فى اتباعه.(الولاية على البلدان ص ۱۷۲ الولاية فى عصر عمر بن الخطاب،دار اشبيليا للنشر والتوزيع الطبعة الاولىٰ 2001ء)

www.idaraghufran.org

غیر مسلم کو مسلمانوں پر امیر نہ بنانا:

دورِ جدید کے جدت پسندی کے علمبردار یہ دعویٰ بڑے زور وشور سے کرتے نظر آتے ہیں کہ کوئی دوسرا مذہب والا، مسلمانوں کے دنیاوی کاموں میں اور سیاستی امور میں ان کا لیڈر کیوں نہیں ہوسکتا؟ جبکہ مسلمان غیر مسلموں کے لیڈر رہو سکتے ہیں۔ یہ اشکال دووجوہات کی بناء پر پیدا ہوتا ہے۔ پہلی تو اسلام کے ریاستی اصولوں سے عدمِ واقفیت، دوسرا طبیعت انسانی سے عدمِ واقفیت۔

تاریخِ انسانی کے مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان اپنے دین و مذہب کو دوسروں کے مذاہب پر فوقیت دیتا ہے، اور ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اپنے مذہب کے احکامات، وعبادات کا دوسروں کو پابند بنائے۔ دوسری چیز یہ کہ اسلام نے ریاستی امور کا پورا خاکہ پیش کیا ہے کہ کیسے ریاست غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کرے گی۔ ان اصولوں کی روشنی میں غیر مسلموں کو ان کی عبادت کی آزادی، امن کی آزادی، رہائش کی آزادی وغیرہ جیسے امور شامل ہیں۔ جو کہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔

انہی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی غیر مسلموں خصوصا عیسائیوں کو مسلمانوں پر حاکم نہ بنایا۔ فتح شام کے موقع پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شام کی فتح کی خبر آئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنے کاتب کو بلاؤ تا کہ وہ لوگوں کو یہ خبر مسجد میں پڑھ کر سنا دے، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیوں وہ جنابت کی حالت میں ہے؟ ابوموسیٰ نے فرمایا کہ نہیں وہ نصرانی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ ہوئے اور کہا کہ میں نے تمہیں اہل کتاب کو استعمال کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ رشوت کو حلال سمجھتے ہیں۔ [1]

---

[1] قدم على عمر فتح من الشام، فقال لأبى موسى: ادع كاتبك يقرأه على الناس فى المسجد .قال أبو موسى: إنه لا يدخل المسجد .قال عمر: لم؟ أجنب هو؟ قال: لا ولكنه نصرانى، فانتهره عمر وقال: لا تدنوهم وقد أقصاهم الله، ولا تكرموهم وقد أهانهم الله، ولا تأمنوهم وقد خونهم الله، وقد نهيتكم عن استعمال أهل الكتاب، فإنهم يستحلون الرشوة، وعن أُسِّقَ، قال: كنت عبداً نصرانياً لعمر، فقال: أسلم حتى نستعين بك على بعض أمور المسلمين، لأنه لا ينبغى لنا أن نستعين على أمورهم بمن ليس منهم فأعتقنى لما حضرته الوفاة وقال: اذهب حيث شئت(فصل الخطاب فى سيرة ابن الخطاب ص ۳۲۸ الفصل الخامس،المبحث الثانى)

پیارے بچو! مولانا محمد ریحان

دوستی کس سے کریں؟

پیارے بچو!اسامہ اور عثمان دو دوست تھے،ان کی دوستی بہت گہری تھی۔وہ دونوں ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے اور ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔وہ دونوں تیراکی سیکھنے جاتے تھے۔ایک دن وہ اسکول سے تیراکی سیکھ کر لوٹ رہے تھے۔اس وقت وہ دونوں تھکے ہوئے تھے۔پھر ایک آوارہ کتا ان کا پیچھا کرنے لگا۔اسامہ نے ہنستے ہوئے اپنے دوست سے پوچھا"کیا یہ آپ کا دوست ہے؟"....عثمان نے اسے جواب دیا"جی ہاں بالکل آپ کی طرح"....اور دونوں نے زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔چلتے چلتے عثمان کچھ دیر کے لیے ٹھہر گیا اور کہا"انا اللہ!میری ہینڈ واچ (Hand watch) کہاں گئی؟"....

اور اپنی جیبیں چھاننے لگا لیکن اسے اپنی گھڑی نہ ملی۔اسامہ نے کہا:"شاید آپ نے کپڑے بدلتے ہوئے اپنی گھڑی نہ اتار دی ہو؟"....

عثمان نے اسے جواب دیا:"مجھے ایسا یاد نہیں پڑتا کہ میں نے ایسا کیا ہو،لیکن کبھی کبھار میں گھڑی اپنے بستے میں رکھ لیتا ہوں" یہ کہہ کر اس نے راستے میں اپنا بیگ پلٹ دیا۔گلی کا کتا جو اِن کے پیچھے آ رہا تھا، بستے کے قریب آیا،اور زمین پر گری بستے کی چیزوں کو سونگھنے لگا۔لیکن بستے میں بھی ہینڈ واچ نہ تھی۔عثمان نے کہا:"چلو آپ کے بستے میں دیکھ لیتے ہیں،ہوسکتا ہے آپ کے بستے میں نہ چلی گئی ہو۔"یہ سن کر تیزی سے اسامہ نے بھی اپنا بستہ پلٹ دیا۔لیکن اس کے بستہ میں بھی گھڑی نہ تھی۔دونوں آپس میں سوال جواب کرنے لگے"اب کیا کریں گے؟"اسامہ خاموش رہا،وہ بہت زیادہ تھکا ہوا تھا اور بھوک بھی شدت سے لگ رہی تھی،اور وہ گھر جانا چاہ رہا تھا تاکہ گھر جا کر کچھ کھائے اور سو جائے۔عثمان نے کہا:"چلو اسکول چلتے ہیں اور وہاں جا کر ڈھونڈتے ہیں"اسامہ نے کہا:"لیکن ہم تو کافی آگے آ چکے ہیں اور گھر پہنچنے ہی والے ہیں،گھر جا کر اپنی امی سے کہنا وہ اسکول کی انتظامیہ سے رابطہ کریں اور اس طرح آپ کی گھڑی محفوظ رہے گی۔"

لیکن عثمان نے پریشانی سے ہڑبڑاتے ہوئے کہا:''مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ گھڑی کے بغیر میں گھر گیا تو میری امی کو بہت سخت غصہ آجائے گا،اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میری امی نے پچھلے مہینے ہی وہ گھڑی مجھے دی تھی۔''اسامہ نے اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا:''خوب،میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا،اس طرح آپ کی امی کو غصہ نہیں آئے گا۔''عثمان نے کہا:''شکریہ آپ کا۔

جب وہ دونوں گھر پہنچے تو عثمان کی امی کچن میں تھیں،امی نے دونوں کو دیکھ کر سلام کیا اور کہا''خوش آمدید!''

اسامہ نے کہا''وعلیکم السلام''عثمان نے بھی اپنی امی کو سلام کیا اور اپنے دوست کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی امی سے کہا''مم۔مم۔۔میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اسکول میں میری گھڑی گم ہوگئی ہے''امی نے مسکراتے ہوئے کہا:''نہیں آپ کی گھڑی گم نہیں ہوئی،یہ کیسے ممکن ہے آپ نے اب تک اپنی گھڑی پہنی تک نہیں۔''یہ سن کر عثمان نے سکون کا سانس لیا اور اپنی گھڑی لینے کے لیے اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگادی۔گھڑی لے کر آیا اور اپنی امی سے کہا:''کیا اسامہ ہمارے ساتھ کچھ کھانے پینے کے لیے ٹھہر سکتا ہے؟''عثمان کی امی نے کہا:''کیوں نہیں،میں نے پیزا اور آئسکریم بنائی ہے۔''تھوڑی ہی دیر بعد امی نے پیزا اور کولڈ ڈرنکس لاکر ان دونوں کے سامنے رکھ دیں،کھا پی کر اپنی طاقت بحال کرنے کے بعد دونوں نے کچھ دیر آرام کیا۔شام کے وقت اسامہ نے انہیں الوداع کہا اور گھر آگیا۔لیکن گھر جانے سے پہلے عثمان نے اس سے کہا:

''میں بڑا ہی خوش نصیب ہوں کیونکہ تم میرے دوست ہو؛آپ بڑے ہی مخلص اور پیارے دوست ہو،آپ دوسروں کی مدد کرنے والے اور دوسروں کو ہمت حوصلہ دلانے والے ہو۔کسی نے بالکل صحیح کہا ہے:

''دوست تو وہی ہوتا ہے جو مشکل وقت میں بھی دوست رہے۔''

پیارے بچو!دوستی کا مطلب یہ ہے کہ ہم دوستوں کی ضروریات کے بارے میں سوچیں اور ہم ان کی مشکلات کو سمجھیں اور ان کی مدد کریں۔کبھی کبھار دوست کی مدد اس طرح بھی ممکن ہوتی ہے کہ ہم اس کے ساتھ رہ کر اس کی کسی مشکل میں مدد کردیں۔

www.idaraghufran.org

بزمِ خواتین   (عورت کا تقدس اور حقوق نسواں کا فریب: قسط66)   مفتی طلحہ مدثر

ملازمت اور تجارت میں خواتین کے اختیارات (تیسرا حصہ)

معزز خواتین! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے آئینہ میں ہم نے ملاحظہ کیا، کہ خواتین کا بنیادی کام کیا ہے، خواتین کی سردار کیسی زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہوئیں، جو خواتین ان کو رول ماڈل نہیں مانتی، ان سے ہمیں بحث نہیں، صرف ان سے درخواست ہے، کہ ایک سوال کا جواب براہ کرم عنایت کردیں، اگر آپ کسی ایسے رویے پر تنقید کرتی ہیں، جو اسلام کی محترم شخصیات کی زندگی میں جابجا پایا جاتا ہے، تو انہی خواتین کے زیرِ سایہ جنت میں داخلہ کی خواہش کیوں کر پوری ہوسکتی ہے، کیونکہ اپنے سربراہ اور سردار کی زندگی اور طرزِ عمل پر تو آپ کو اعتراض ہے، جب طرزِ زندگی مختلف ہوگا تو یقیناً انجام بھی مختلف ہی ہوگا۔

ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا، کہ ہم نے کسی خاتون کی قیمت اور ویلیو کس بنیاد پر قائم کرنی ہے، خواتین کی مثال دنیا میں موجود غیر جاندار چیزوں کی طرح نہیں ہے، کہ ہم ہر معاملے میں ان کی وقعت اور وجود کو مالی منافع کی جمع تفریق کرکے یا ان کی محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی سے موازنہ کرکے، ان کی حقیقی قدر و منزلت کا اندازہ کرنے لگ جائیں، یہ بات آج کل بہت عام ہے اور بہت سے موٹیویشنل اسپیکرز اسی کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں، کہ آپ پیسا کمائیں گھر سے باہر نکلیں، اور اس کو ایک آئیڈیل لائف سٹائل سمجھا جارہا ہوتا ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں، ایک خاتون ہے، وہ پڑھی لکھی ہے، تعلیم یافتہ ہے، اگر وہ کسی بہترین اسکول میں جاب کرے تو اچھا خاصا کماسکتی ہے، مثلاً ایک لاکھ روپے تک کماسکتی ہے، (ویسے ہمارے یہاں کے تجارتی مقاصد کے لیے بنائے گئے اسکول سسٹم کی انتظامیہ ٹیچرز کو اتنی تنخواہ نہیں دیتے، لیکن ہم پھر بھی فرض کرلیتے ہیں) لیکن وہ کمانے کے بجائے ساری توجہ گھر میں بچوں کی پرورش پر دیتی ہے، جو اس کا اصل کام ہے، تو ہمارے یہاں کے سمجھدار لوگ اس کو کہتے ہیں، کہ اس نے زندگی برباد کردی، نقصان کرلیا، پڑھا لکھا گنوادیا ہے وغیرہ وغیرہ، مجھے بتائیے اگر وہ ایک لاکھ

روپے کما کر پچیس ہزار روپے بھی کسی آیا، ماسی، کیئر ٹیکر یا پھر مونٹیسری اسکول والوں کو دیتی ہے، تو کیا وہ آیا اس بچے کی ایسی تربیت اور پرورش کر سکتی ہے، جو سگی ماں کرتی ہے، یا اس کے دل میں بچے کے لیے وہ ہمدردی، جذبات اور ممتا ہو سکتی ہے، جو سگی ماں میں ہوتی ہے، یقیناً ایسا نہیں ہے، بلکہ ماں کے علاوہ دوسری خواتین اور اداروں کے لیے اس بچہ کی حیثیت بس ایک کسٹمر کی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

ماں باپ کا بچوں کی پرورش کرنا، ان کو وقت دینا، پیار محبت کرنا، ان سب کو پیسوں سے نہیں تولا جا سکتا، بعض دفعہ کوئی دوسرا شخص بچہ کی بہتر تربیت بھی کرتا ہے، پرورش بھی بہتر کرتا ہے، پھر بھی بچہ میں شدت سے احساس محرومی پایا جاتا ہے، آپ اپنی فیملی اور آس پاس کے لوگوں میں نظر دوڑائیں، کوئی نہ کوئی ایسا فرد ضرور ملے گا، جس نے اپنے بیٹے یا بیٹی کو، اولاد سے محروم بھائی یا بہن کو یا کسی اور فیملی ممبر کو دے دیا، جن کو وہ بچہ ملا انہوں نے اس بچہ کا بہت خیال بھی رکھا، اچھے طریقے سے پالا پوسا، اس کے باوجود بھی بڑے ہو کر یہ بچہ کبھی بھی اپنے سگے ماں باپ سے ویسی محبت نہیں کر سکا، جیسے اس کے دوسرے بہن بھائی کرتے ہیں، جن کی پرورش سگے ماں باپ نے کی، بلکہ اکثر جگہ تو ایسے بچے اپنے ماں باپ سے نفرت کرتے ہیں، اب یہاں اس بچہ کو پیسہ بھی ملا ہوتا ہے، اچھا ماحول بھی ملا ہوتا ہے، لیکن وہ شدت سے ماں باپ کے پیار نہ ملنے کو محسوس کرتا ہے، جو وہ کسی اور کے سامنے بیان نہیں کر سکتا، غرض ماں کے پیار اور وقت کو پیسے یا کسی دوسرے فرد کے پیار سے پورا نہیں کیا جا سکتا۔

معاشی ذمہ داری مرد پر ہے......

معزز خواتین! آپ نے بہت سے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا، کہ معاشی آزادی خواتین کا حق ہے، یہ اسی جیسے جملے جس سے یہ باور کرایا جاتا ہے، خواتین کا گھر سے باہر نکل کر کمانا کمانا ان کا ایک حق ہے، جس کو ختم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ہم ایسے معاشرے میں رہائش پزیر ہیں، جہاں حق اور ذمہ داری میں فرق نہیں کیا جاتا ہے، حق اور

ذمہ داری ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، ایک شخص کا حق دوسرے فرد کی ذمہ داری ہوتی ہے، مثلاً بیوی کی رہائش کا انتظام، خوراک، نان نفقہ وغیرہ کا انتظام بیوی کا حق ہے، لیکن یہ تمام چیزیں شوہر کی ذمہ داری ہیں، بچوں کو اچھی تعلیم وتربیت کا ملنا ان کا حق ہے، لیکن یہ کام والدین کی ذمہ داری میں داخل ہیں، عوام کو بنیادی ضروریات کا ملنا ان کا حق ہے، جبکہ عوام کو یہ چیزیں مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، حق ایسے عمل یا انتظام کا نام ہے، جس کی ادائیگی شریعت کی جانب سے ہماری رعایت کرتے ہوئے کسی دوسرے فرد پر لازم کی گئی ہو، جب کہ ذمہ داری ایسے عمل کا نام ہے ،جس کی ادائیگی دوسرے فرد کی رعایت کرتے ہوئے ہمارے اوپر لازم کی گئی ہو، خلاصہ یہ کہ ایک چیز ایک فرد کا حق ہوتا ہے، دوسرے کی ذمہ داری، ذمہ داری میں کوتاہی پر گناہ ہوتا ہے، اس سے دست بردار نہیں ہوا جا سکتا، جبکہ اپنے حق کو چھوڑا جا سکتا ہے، اس سے دست بردار ہوا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اپنے اہلِ خانہ کی معاشی کفالت کرنا ایک ذمہ داری ہے، ایک بوجھ ہے، جس میں کوتاہی کرنا گناہ ہے، بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے خواتین پر اہلِ خانہ کی معاشی ضروریات پورا کرنے کا بوجھ نہیں ڈالا، بلکہ مردوں کو پابند کیا ہے، کہ وہ خواتین کی ضروریات کا انتظام کریں اور اس معاملے میں کوتاہی سے کام نہ لیں، جو خواتین معاشی آزادی کو حق کہتی ہیں، وہ ایک ایسے اضافی بوجھ کو اپنے سر لادنے کی کوشش کر رہی ہوتی ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرة ۲۳۳)

ترجمہ: اور ان ماؤں کھانے اور رہائش کا انتظام دستور کے مطابق بچے والے (یعنی والد) کے ذمہ ہے۔

اور ارشاد ہے:

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ (الطلاق ۷)

ترجمہ: خوشحال آدمی اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس کا زرق تنگ کر دیا ہو، اسے چاہیے کہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اس کو عطا کیا ہے (طلاق)

یہاں خوراک لباس وغیرہ کا انتظام کرنا اللہ نے مرد کے ذمہ لازم کیا ہے،اللہ تعالیٰ نے مرد کو گھر کا سربراہ بنایا ہے،اوراس کو پیسا خرچ کرنے کا حکم دیا ہے،یہ فطرت ہے کہ جو شخص پیسا خرچ کرے گا،اس کا رعب بھی ہوگا وہ بہتر طریقے سے انتظام بھی چلائے گا،زیرِ کفالت افراد اسی صورت سربراہ کی بات ماننے پر آمادہ ہوں گے،جب سربراہ ان کا خرچ اٹھائے،اسی لئے جو خواتین معاشی طور پر خودمختار ہوں،فطرتاً ان میں ماننے کی صلاحیت کم ہوجاتی ہے،اب چونکہ وہ شوہر یا والد کے زیرِ کفالت نہیں ہوتی،تو وہ خود سربراہ بننے کی کوشش کرتی ہیں،جو اللہ تعالیٰ کی مصلحت کے خلاف ہے،اسی لئے آپ دیکھ لیں،اپنی فیملی اور آس پڑوس میں مشاہدہ کرلیں،آپ کو ایسے گھروں کا سکون برباد ہی نظر آئے گا،جہاں خواتین کمائیں اور مرد ہڈ حرام ہوں،بلکہ جن خواتین کی آمدن گھر کے مردوں کے مقابلے زیادہ ہو،یا کم از کم وہ خودمختار ہوں،آپ کو انکی اکثریت خودسرَ ہی ملے گی ’’الا ماشاءاللہ‘‘نیز ایسی خواتین کی اپنے گھر کی طرف توجہ اور بچوں کی پرورش کی حوالے سے رغبت انتہائی کم ہوگی،جوکہ ان کی اصل ذمہ داری ہے۔

(جاری ہے............)

www.idaraghufran.org

حرمت والے مہینوں میں نیک اعمال کا درجہ وفضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک صحابی کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا کہ:

ترجمہ: صبر یعنی رمضان کے مہینے کے روزے رکھو اور ہر مہینے میں ایک دن کا روزہ رکھ لیا کرو، ان صحابی نے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے لہٰذا میرے لئے اور اضافہ کردیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مہینے میں دو دن روزہ رکھ لیا کیجئے، پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرمادیجئے (کیونکہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھ لیا کیجئے، پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرمادیجئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَشْهُرِ حُرُمُ (یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور رجب کے مہینوں) میں روزہ رکھو اور چھوڑو (آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی) اور آپ نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ فرمایا ان کو ساتھ ملادیا پھر چھوڑ دیا (یعنی کہ ان مہینوں میں تین دن روزہ رکھو پھر تین دن ناغہ کرو اور اسی طرح کرتے رہو)۔

(سنن أبی داؤد، حدیث2428، کتاب الصوم، باب فی صوم أشهر الحرم)

ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے مہینوں کا شمار چار حرمت والے مہینوں میں ہوتا ہے، اور اسلام میں ان مہینوں میں عبادت وطاعت کی خاص فضیلت ہے، اور روزہ بھی عبادت وطاعت میں داخل ہے، اس لئے ان مہینوں میں حسبِ توفیق جتنے ممکن ہوں نفلی روزے رکھنا اور دیگر نیک اعمال بھی باعثِ فضیلت ہیں۔

حج کی فرضیت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیتُ اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے، تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں (بیتُ اللہ کی تعمیر سے) فارغ ہو چکا ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ لوگوں میں حج کا اعلان فرمایئے، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! کیا میری آواز (لوگوں تک) پہنچ جائے گی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ تو اعلان فرمایئے، اور (آواز کا) پہنچانا ہمارے ذمہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں کس طرح اعلان کروں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ یہ کہئے کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، بیتِ عتیق (یعنی بیتُ اللہ) کا حج، تو حضرت ابراہیم کے اس اعلان کو آسمان اور زمین کے درمیان والے سب نے سن لیا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لوگ زمین کے دور دراز علاقوں سے تلبیہ پڑھتے ہوئے (حج وعمرہ کے لیے جوق در جوق چلے) آتے ہیں (یہ اسی اعلان کا اثر ہے) (مستدرک حاکم، حدیث3464)

اور بعض روایات میں یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ والسلام کے حج کی فرضیت کے اعلان کی آواز بطور معجزہ قیامت تک آنے والے سب لوگوں کی روحوں تک پہنچا دی تھی، چنانچہ اس وقت سے آج تک ہزار ہا سال گزر چکے ہیں، بیت اللہ کی طرف حج کے لئے آنے والوں کی یہی کیفیت ہے۔

www.idaraghufran.org

حج فرض ہونے کے بعد اس کو اداء نہ کرنے کا وبال

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ مَّلَکَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا، أَوْ نَصْرَانِيًّا، وَذٰلِکَ أَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهٖ: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا.

ترجمہ: جس شخص کے پاس حج کے سفر کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری (یا اس کا کرایہ) میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے، اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے، یا نصرانی ہو کر، اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہیں'' (اور جو شخص کفر وانکار کرے تو اللہ تو تمام عالَم والوں سے بے نیاز ہے) (ترمذی)

(سنن الترمذی، حدیث 812، ابواب الحج)

مذکورہ اور اس جیسی دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہو چکا ہو، مگر وہ اس کی ادائیگی میں سستی کرے، یا اس کو اداء ہی نہ کرے، تو ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں فرمایا، پھر چاہے وہ جس بھی حال میں ہوں۔

تاقیامت ثواب پانے والے لوگ!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ خَرَجَ حَاجًّا فَمَاتَ كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْحَاجِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَمَاتَ كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْمُعْتَمِرِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ خَرَجَ غَازِيًا فَمَاتَ كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْغَازِي إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کے لئے جائے پھر (راستہ میں) فوت ہوجائے، اس کے لئے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا۔

اور جو شخص عمرہ کے لئے جائے پھر (راستہ میں) فوت ہوجائے، اس کے لیے قیامت تک عمرہ کا ثواب لکھا جائے گا۔

اور جو شخص جہاد کے لئے جائے پھر (راستہ میں) فوت ہوجائے، اس کے لئے قیامت تک مجاہد کا ثواب لکھا جائے گا۔

(المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحدیث 5321)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کے سفر پر جائے، یا اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلے، اور پھر وہ فوت ہوجائے، تو وہ تاقیامت حج وعمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے ثواب کو پاتا رہے گا۔

www.idaraghufran.org

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

تکفیر بازی ومغالطاتِ سلفی کا جائزہ (قسط7)

اثنا عشری اور امامیہ کے ایک چیز ہونے کے دعوے کا بطلان

اہل السنۃ والجماعۃ کے محققین اسلاف وترجمان کے گذشتہ تفصیلی حوالہ جات وعبارات کو پیشِ نظر رکھ کر اب سلفی صاحب کے اس دعویٰ کو ملاحظہ فرمایئے، جو سلفی صاحب نے دکتور ناصر بن عبد اللہ القفاری کی کتر بیونت کردہ عبارت، اور اس کے اسی طرح کے ترجمہ کے بعد ان الفاظ میں کیا ہے:

''اثنا عشری، اور امامیہ، ایک ہی چیز ہیں'' (ماہنامہ حق چار یار، دسمبر2022ء، ص۴۳)

سلفی صاحب، اور ان کے اس سلسلہ میں متبوع ''دکتور ناصر قفاری'' کے مندرجہ بالا دعوے کا بطلان پیچھے محققین ومتکلمین اہل السنۃ کی عبارات، وحوالہ جات اور تصریحات کی روشنی میں پوری طرح معلوم ہو چکا۔

جس طرح سلفی صاحب کا مذکورہ دعویٰ محققین، ومتکلمین اہل السنۃ کے خلاف ہے، اسی طرح اصحابِ لغت کے بھی خلاف ہے، چنانچہ لغتِ عربی کی کتاب ''المعجمُ الوسیط'' میں ہے:

(الاثنا عشرية) فرقة من الشيعة الإمامية يقولون باثنى عشر إماما أولهم علي بن أبي طالب و آخرهم الإمام المنتظر (المعجم الوسيط، ج ۱، ص ۱۰۲، باب الثاء)

ترجمہ: ''اثنا عشریہ'' شیعہ امامیہ کے ایک فرقہ کا نام ہے، جو بارہ اماموں کے قائل ہیں، جن میں پہلے امام حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان کے آخری امام ''امامِ منتظر'' ہیں (المعجم الوسیط)

اور مذکورہ کتاب میں ہی ایک مقام پر ہے:

(الجعفرية) فرقة من الشيعة الإمامية و هم الباقرية أتباع جعفر الصادق بن محمد الباقر و فرقة من فرق المعتزلة أتباع الجعفرين جعفر بن حرب و جعفر بن مبشر (المعجم الوسيط، ج ۱، ص ۲۶۰، باب الجيم)

ترجمہ: ''جعفریہ'' ایک فرقہ ہے شیعہ امامیہ کا، اور وہ باقریہ ہیں، جو جعفر صادق بن محمد باقر کے متبعین ہیں، جو بارہ اماموں کے قائل ہیں، اور ایک فرقہ معتزلہ کا بھی ہے، جو جعفر بن جعفر بن حرب، اور اور جعفر بن مبشر دونوں کے متبعین ہیں (المعجم الوسیط)

www.idaraghufran.org

اورعربی لغت کی کتاب''معجم اللغة العربية المعاصرة''میں ہے:

الاثنا عشَريَّة :(سف) فرقة من الشِّيعة الإماميَّة يقولون باثني عشر إمامًا أولهم عليّ بن أبي طالب وآخرهم الإمام المنتظر (معجم اللغة العربية المعاصرة، ج ١، ص ٣١٣، مادة''ث ن ی'')

ترجمہ:''اثناعشریہ''ایک فرقہ ہے''شیعہ امامیہ''کا، جو بارہ اماموں کے قائل ہیں، جن میں پہلے امام حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، اوران کے آخری امام''امامِ منتظر''ہیں(معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرۃ)

اورعربی لغت کی ایک اورکتاب''معجم متن اللغة''میں ہے:

وهم فرق متعددة أشهرها وأكثرها عدداً الإمامية الأثنا عشرية، وليسوا هم من الغلاة، كما زعم صاحب التاج، بل يكفرون الغلاة، كما يعرفه كل من اطلع على مذهبهم وفتاوى فقهائهم(معجم متن اللغة ، ج٣، ص ٤٠٠، مادة''ش ی ع'')

ترجمہ:اورشیعہ کے متعدد فرقے ہیں، جن میں مشہور، اورتعداد کے اعتبار سے زیادہ ''امامیہ اثناعشریہ''ہیں، اوریہ''غلاۃ''میں سے نہیں ہیں، جیسا کہ''صاحبُ التاج''کا گمان ہے، بلکہ یہ''غلاۃ''کی تکفیر کرتے ہیں، جیسا کہ ہروہ شخص پہچانتا ہے، جو ان کے مذہب، اوران کے فقہاء کے فتاویٰ پرمطلع ہے(معجم متن اللغۃ)

بنیادی اصطلاحات وتقسیمات تک عدمِ رسائی

اس کے بعد سلفی صاحب اپنا الزام دوسرے کے سر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اگرمصادرِعلمی، یا شواہداتِ عالم تک ادارہ کی غفرانی ٹیم کی رسائی نہیں ہے، تو وہ اپنے جاننے والے کسی ہمدرد رافضی پڑھے لکھے لوگوں سے ہی پوچھ لیں، تاکہ اپنے ممدوحین سے کم ازکن وہ اتنا تو جان سکیں کہ جنہیں اثناعشری رافضی کہا جاتا ہے، دراصل وہی امامیہ کہلاتے ہیں۔اب یہ بات کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ جن حضرات کو بنیادی اصطلاحات اورفرقوں کی طبقاتی تقسیم تک سے واقفیت نہیں، وہ تکفیر وعدمِ تکفیر اورمطلق ومقید جیسے موضوعات پر اپنا جوش دکھارہے ہیں(ماہنامہ حق چاریار، دسمبر 2022ء، ص۴۴)

سلفی صاحب کے اس طرح کے دعووں کا گذشتہ اہلُ السنۃ کے مصادرِعلمی، یا شواہداتِ عالم، اور عقائد واصول کے ائمہ ومحققین واہلِ لغت کی نقل کردہ عبارات وتصریحات سے انتہائی مضحکہ خیز

،اور باطل ہونا معلوم ہوگیا،اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دراصل سلفی صاحب اپنے قلم سے تحریر کردہ اس الزام واتہام کے خود ہی مستحق ہیں کہ ان کو اہل السنہ کے عقائد واصول کے ائمہ اور محققین کی طرف سے بیان کردہ بنیادی اصطلاحات اور فرقوں کی طبقاتی تقسیم تک سے واقفیت نہیں،اور وہ تکفیر وعدمِ تکفیر اور مطلق ومقید جیسے موضوعات پر اپنا جوش دکھا رہے ہیں۔اور اہل السنہ محققین کی تصریحات کے بعد الحمدللہ ہمیں کسی ہمدرد رافضی پڑھے لکھے لوگوں سے پوچھ لینے کی ہرگز احتیاج نہیں،اور اگر بالفرض ہمیں کسی رافضی سے کوئی بات پوچھنے کی ضرورت لاحق ہوگئی،تو کہیں سلفی صاحب ہم کو اہل سنت کے خلاف مدد حاصل کرنے سے متہم نہ کردیں(درجِ بالا سطور لکھنے کے بعد ہماری نظر سے سلفی صاحب کے مضمون کی قسط نمبر ۶ گذری،جس میں وہ یہ کارنامہ سرانجام دے چکے ہیں)

حقیقتِ پس نوشت

سلفی صاحب کو بغیر سوچے سمجھے جو الفاظ بھی قلم کی نوک پر آئیں،ان کو لکھ مارنے کا بہت شوق ہے،انہوں نے اپنے مضمون کی تیسری قسط کے آخر میں ’’پس نوشت‘‘ کی سرخی قائم کر کے ہمارے جوابی مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ گویا کہ ہمارا جوابی مضمون ’’سلفی صاحب کے موقف کی صداقت کا بجائے خود ایک کھلا نشان ہے‘‘سلفی صاحب شاید کسی خیالی دنیا میں رہ کر اس طرف کی لفاظیاں کرتے ہیں،جس کی وجہ سے ان کو سلف محققین کی بیسیوں تصریحات کی روشنی میں بھی اپنے متشددانہ ومتعصّبانہ موقف کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی،جو ان کے علم کی حدودِ اربعہ کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔واقعہ یہ ہے کہ سلفی صاحب کے اعتراضات،جن کو وہ جوابی مضمون کا نام دیتے ہیں،وہ ہمارے مضمون کے معقول علمی جواب سے بالکل عاری ہے،جس پر’’پس نوشت‘‘ کا لیبل لگانے کی حیثیت ہٹ دھرمی سے زیادہ نہیں۔

خودساختہ بے بنیاد سلفی اصولوں کا ذکر

پھر اس کے بعد سلفی صاحب نے اپنے مضمون کی چوتھی قسط کا مضمون لکھا ہے،جس میں حسبِ سابق وحسبِ عادت بے ربط اوٹ پٹانگ باتیں لکھی ہیں۔چنانچہ سلفی صاحب نے’’ جنوری،2023ء میں اپنے مضمون کی قسط نمبر 4 میں چند طفلانہ باتوں اور مضحکہ خیزیوں کے بعد لکھا کہ:

’’اب تک پیش کی جانے والی گفتگو میں ہم نے ان اصولوں کا تذکرہ کیا ہے،جن کی بنیاد پر ’’رافضیت‘‘قطعی طور پر دینِ اسلام سے متصادم قرار پاتی ہے۔اورشیعوں میں فرقہ اثناعشریہ کا آج دنیا بھر میں غالب تسلط ہے،یعنی متقدمین کی کتابوں میں جوشیعوں کی مختلف شاخوں اور مکتبوں کا ذکر ملتا ہے،وہ مرورِ زمانہ کے ساتھ یا تو بالکل تحلیل ہوکررہ گئے،یا پھر سمٹ سمٹا کر تین بڑے فرقوں میں ضم ہوگئے ہیں(ا) اثناعشری(۲)نصیری(۳)اورآغاخانی(حق چاریار،جنوری،2023ء،ص۲۳)

اور پھر سلفی صاحب نے متخشانہ انداز میں ہماری طرف اکابرینِ اہلِ سنت کی صدیوں پر مشتمل کاوشوں کو بے وزن کرنے کا الزام عائد کیا ہے۔جبکہ ہمارے نزدیک اہل السنہ اسلاف ومحققین کی گذشتہ تصریحات کے مقابلہ میں سلفی صاحب کی کوئی بھی حیثیت نہیں،وہ خود ہی اسلاف اہلُ السنۃ کی صدیوں پر مشتمل کاوشوں کو نظرانداز کرنے کے مرتکب ہیں،اس لئے ہم سلفی صاحب کی مذکورہ تقسیم کے مقابلہ میں اسلاف کی تقسیم وتصریح کو ہی راجح وقابلِ عمل سمجھتے ہیں۔

سلفی صاحب دعویٰ تو اصولوں،اور’’متقدمین کی کتابوں میں شیعوں کی مختلف شاخوں اورمکتبوں کے ذکر‘‘کا کرتے ہیں،لیکن متقدمین ومتاخرین کی کتابوں میں مذکور’’شیعہ زیدیہ‘‘سمیت تمام تصریحات کے ذکرکو چٹ کرجاتے ہیں،جوآج بھی دنیا میں موجود ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ نصیریہ’’باطنی فرقہ‘‘کی ایک جماعت ہے،فرانسیسیوں نے انہیں علویین کا نام دیا ہے۔یہ فرقہ اصل میں ایک شخص سے منسوب ہے جسے محمد بن نصیر کہا جاتا تھا۔

اوراسماعیلی اہل تشیع کا ایک فرقہ ہے جس میں حضرت جعفرصادق(پیدائش:702ء) کی امامت تک اثناعشریہ سے اتفاق پایا جاتا ہے اوران کے لیے اثناعشریہ کی طرح جعفری کا لفظ بھی مستعمل ملتا ہے، جبکہ اکثر کتب ورسائل میں عام طور پر جعفری کا لفظ اثناعشریہ اہلِ تشیع کے لیے بطور متبادل آتا ہے۔

اوراسماعیلیہ کی بڑی شاخ آغاخان کے پیروکار نزاری اسماعیلی ہے،اسماعیلیوں کا دوسرابڑا گروہ’’بوہرہ جماعت‘‘ہے،جن میں امامت کی بجائے داعی مطلق کا سلسلہ ہے،اوروہ آغاخان کوامام نہیں مانتے۔

اسی طرح’’اثناعشریہ‘‘کی بھی مختلف شاخیں ہیں،جن میں اصولیین اوراخباریین بھی داخل ہیں۔

اسی طرح سلفی صاحب’’ایک ہزارصدی پر مشتمل جمہوراہل سنت کی طرف سے شیعہ ورافضہ،امامیہ واثناعشریہ کی اصطلاح،ان کے فرقوں،اورطبقاتی ومکتباتی تقسیم،اوران کے حکم کے متعلق بیان کردہ

تصریحات کو بھی نظر انداز کردیتے ہیں، جن کے پے درپے حوالے ہم نقل کرچکے ہیں، جن میں اہل السنۃ کے ترجمان ابوالحسن اشعری (المتوفیٰ:324ھ) سے لے کر شاہ عبدالعزیز دہلوی، اور خاندانِ آلوسی بھی کے اصحابِ علم بھی شامل ہیں۔

جبکہ سلفی صاحب مجلّہ ''حق چاریار'' لاہور، ربیع الآخر۱۴۴۴ھ، نومبر2022ء کے شمارہ میں، قسط نمبر ۲ میں روافض کے متعلق علمائے اہلِ سنت کی طرف سے کئی صدیوں سے جہدِ بلیغ اور جہودِ شاقہ کرتے چلے آنے کا لکھ چکے ہیں، جن کی خلاف ورزی کو وہ خود ایک رام کہانی، یا شیخ چلی کا خیالی پلاؤ نظر آنا قرار دے چکے ہیں، اور خود سے تحکمانہ تقسیم کا حکم لگا بیٹھے ہیں، اگر ان کے نزدیک متقدمین، ومتوسطین اور متاخرین سب ہی کی بیان کردہ تقسیم وتصریح، اور ان کا حکم حجت نہیں، تو ان کے مقابلہ میں سلفی صاحب کی بیان کردہ تقسیم اور حکم کی کیا حیثیت ہے؟ ہم اس سلسلہ میں بکثرت عبارات پہلے پیش کرچکے ہیں۔ امام شاطبی ''الاعتصام'' میں اہلُ السنۃ کے علاوہ دیگر فرقوں کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے شیعوں کے ذیل میں فرماتے ہیں:

وأما الشيعة فانقسموا أولا ثلاث فرق :غلاة .وزيدية، وإمامية.فالغلاة ثمان عشرة فرقة............ .وأما الزيدية فهم ثلاث فرق............ .وأما الإمامية ففرقة واحدة، فالجميع اثنتان وأربعون فرقة (الاعتصام،للشاطبی، ج۲،ص۷۱۹،فصل مسائل فی حديث افتراق الأمة على ثلاث وسبعين فرقة)

ترجمہ: اور جہاں تک شیعہ کا تعلق ہے، تو ان کی ابتداءً تین قسموں میں تقسیم ہے، ایک ''غلاۃ'' دوسرے ''زیدیہ'' اور تیسرے ''امامیہ''۔ پس ''غلاۃ'' کے اٹھارہ فرقے ہیں ......اور جہاں تک زیدیہ کا تعلق ہے، تو ان کے تین فرقے ہیں......اور جہاں تک ''امامیہ'' کا تعلق ہے، تو وہ اگرچہ ایک فرقہ ہے، لیکن مجموعی طور پر وہ بیالیس (42) فرقوں میں تقسیم ہے (الاعتصام)

سید محمد رشید بن علی رضا مصری ''رسائلُ السنة والشيعة'' میں فرماتے ہیں:

فهؤلاء الإمامية الاثنى عشرية ويلقبون بالجعفرية درجات. وينقسم جمهورهم إلى أصوليين وإخباريين :فالأصوليون :هم الذين يعرضون ما يروى من أخبار الأئمة على أصول وضعها المتقدمون فينقلون منها ما وافقها ويردون ما خالفها .والإخباريون :هم الذين يتلقون جميع تلك

www.idaraghufran.org

الأخبار بالقبول، وإن خالفت المعقول، وما عند أهل السنة والجماعة من المنقول، وهدمت الفروع مع الأصول. وحدث فی المتأخرين منهم مذاهب أخرى كالكشفية، ولهم فی الدين فلسفة غريبة، ويرد عليهم الشهاب الآلوسی فی تفسيره (روح المعانی) ولهذا الاستعداد فی الإمامية للغلو وقرب الكثيرين منهم من زندقة الباطنية ظهرت منهم وراجت فيهم بدعة البابية ثم البهائية الذين يقولون بألوهية البهاء ونسخه لدين الإسلام وإبطاله لجميع مذاهبه (رسائل السنة والشيعة لرشيد رضا، ج ۱، ص ۱۱، الیٰ ص ۱۳)

ترجمہ: پس یہ امامیہ اثنیٰ عشریہ ہیں، اور ان کا لقب ''جعفریہ'' ہے، جن کے چند درجات ہیں۔ اور ان امامیہ کے جمہور ''اصولیین'' اور ''اخباریین'' کی طرف منقسم ہوتے ہیں۔ پس ''اصولیین'' تو وہ ہیں، جو ائمہ سے مروی اخبار سے اعراض کرتے ہیں، ان اصولوں کے مطابق، جن کو متقدمین نے وضع کیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ ان اخبار اور مرویات کو نقل کرتے ہیں، جو اُن اصولوں کے مطابق ہوتی ہیں، اور جو اُن اصولوں کے خلاف ہوتی ہیں، ان کی تردید کردیتے ہیں۔ اور ''اخباریین'' وہ ہیں، جو اُن تمام اخبار کو قبول کرتے ہیں، اگرچہ وہ عقل کے خلاف ہوں، اور اُن کے بھی خلاف ہوں، جو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے پاس منقول احادیث وروایات ہیں، اور اگرچہ وہ اصول کے ساتھ فروع کو بھی منہدم کردیں۔ اور ان امامیہ کے متاخرین میں دوسرے مذاہب بھی پیدا ہوئے، جیسا کہ ''کشفیہ'' اور ان کا دین میں عجیب وغریب فلسفہ ہے، جن کی علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں تردید کی ہے۔ اور امامت میں اس غلو کی صلاحیت ہونے اور اُن میں سے اکثر کے زندقۂ باطنیہ کے قریب ہونے کی وجہ سے، ان کی طرف سے ''بابیہ'' پھر اُن ''بہائیہ'' کی بدعت ظاہر ورائج ہوئی، جو ''بہاء'' کی الوہیت اور اس کے دینِ اسلام کو منسوخ کرنے، اور تمام مذاہب کو باطل کرنے کے قائل ہیں (رسائل السنۃ والشیعۃ)

اس لیے سلفی صاحب کی طرف سے محققین کے برعکس علی الاطلاق تکفیری مہم جوئی کا مقصود حاصل کرنے کے لیے ''شیعوں'' کی مختلف شاخوں اور مکتبوں کے بارے میں ''مرورِ زمانہ کے ساتھ یا تو بالکل تحلیل ہوکر رہنے، یا پھر سمٹ سمٹا کر تین بڑے فرقوں میں ضم ہونے'' کا دعویٰ حجت نہیں۔

پہلے سوال کے جواب پر سلفی مغالطات

اس کے بعد سلفی صاحب نے اپنے مضمون میں درجِ ذیل عنوان قائم کیا ہے:

''ہمارے پہلے سوال کے غفرانی جواب پر تبصرہ''

جبکہ سلفی صاحب نے ہماری مطبوعہ تالیف کے ابتدائی صفحات پر پھیلی ہوئی طویل علمی بحث پر تبصرہ سے سکوت میں سلامتی محسوس کی، جس میں ''اہلِ اھواء واہلِ بدعت کی تکفیر پر فقہاء ومجتہدین کے موقف'' کی تصریحات وعبارات موجود ہیں، کیونکہ سلفی صاحب کے پاس ان عبارات کے متوازن کوئی مواد نہیں۔ اور ہم شروع میں سلفی صاحب کو یہ چیلنج کر چکے تھے کہ وہ ہمارے مضمون پر بالاستیعاب کلام کریں، جس طرح ہم نے ان کی تحریر پر بالاستیعاب کلام کیا تھا، اور کتر بیونت اور حذف وتحریف سے اجتناب کریں، ورنہ اُن کے تبصرے کی علمی اہمیت نہ ہوگی۔

جس پر وہ تا حال عمل پیرا نہ ہو سکے، تا کہ وہ اپنی علمی بد دیانتی کو پروان چڑھانے کی کوشش کر سکیں۔

پھر سلفی صاحب نے مذکورہ بالا عنوان کے ذیل میں اپنے پہلے سوال کا اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق ملخص تحریر کر کے لکھا ہے کہ:

''ہم سلفی صاحب کے پہلے سوال پر ہی غصے سے اس قدر آگ بگولہ اور غضب ناک ہوئے کہ کپڑوں سے باہر آ گئے''

سلفی صاحب کی سوقیانہ زبان کے یہ کرشمے ہیں، جو ان کے نفس کی طرف سے قابلِ داد وتحسین ہیں، دین کے اہم مسئلہ کے ضمن میں اس طرح کی سوقیانہ زبان سلفی صاحب کے اپنے ہی پسندیدہ بزرگواروں کی پاکیزہ عادت وخصلت ہو سکتی ہے۔ پھر سلفی صاحب نے ہماری تالیف ''تکفیرِ شیعہ اور چند شبہات پر کلام'' کی ایک عبارت نقل کی ہے، لیکن اس عبارت میں بھی علمی دیانت داری کا لحاظ نہیں کیا گیا، بلکہ حسبِ عادت خیانت اور کتر بیونت کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

چنانچہ سلفی صاحب ہمارے مضمون کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

بندہ نے ''تکفیرِ شیعہ'' کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے، وہ اگر مجتہدین فقہائے کرام اور محققینِ عظام کے بیان کردہ قول اور شرعی وفقہی قواعد وضوابط کے مطابق ہو، اور ساتھ ہی متعدد محققین واکابر کی تصریحات بھی درج ہوں، اور اس کے علاوہ بھی اس سلسلہ میں مزید سینکڑوں حوالہ جات موجود ہوں،

ان سب کو نظر انداز کر کے، اس کی نسبت محض بندہ کی رائے کی طرف کرنا ''چہ معنیٰ دارد''۔

چونکہ موصوف کی طرف سے اس طرح خلطِ مبحث کا ارتکاب بعض عوام کے لیے سنگین غلط فہمیوں کا باعث ہوسکتا ہے، اس لیے لاکھوں لوگوں کی تکفیر جیسے اس اہم مسئلے پر ''دودھ کا دودھ، اور پانی کا پانی'' کرنا ضروری ہے (علمی و تحقیقی رسائل صفحہ نمبر ۴۸۰، جلد ۱۸، مطبوعہ ادارہ غفران، راولپنڈی)

(مجلّہ حق چاریار، جنوری ۲۰۲۳ء، صفحہ ۲۴)

اس موقع پر سلفی صاحب نے پہلی خیانت تو یہ کی کہ ہمارے جواب کے صرف ایک حصہ کو نقل کیا، اور پہلے حصہ کو حذف کر دیا، چنانچہ ہماری اس سلسلہ میں پوری عبارت اس طرح ہے:

موصوف نے اپنے مضمون کے شروع میں بندہ کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

''آنجناب نے تکفیرِ شیعہ کے ضمن میں اپنی رائے بیان کی ہے''۔ انتھیٰ۔

اولاً تو موصوف کے مذکورہ بالا جملے سے معلوم ہوا کہ موصوف نے بندہ کے مضمون سے ''تکفیرِ شیعہ'' کے مسئلے کو سمجھا ہے، اور بندہ نے اپنے مضمون میں ''تکفیرِ شیعہ'' کے حکم پر ہی کلام کیا ہے۔ اور ''شیعہ'' کے بیسیوں فرقوں میں سے کسی خاص فرقے پر کلام، ضمنی طور پر آیا ہے۔

لہٰذا اگر موصوف کو اس موقف سے اختلاف تھا، تو انہیں صاف صاف واضح کرنا چاہیے تھا کہ اس کے برعکس وہ شیعہ کی علی الاطلاق تکفیر کے قائل ہیں، خواہ اس کا تعلق ''شیعہ'' کے کسی بھی فرقہ سے ہو، یا پھر وہ کسی اور تقسیم وغیرہ کے قائل ہیں؟

لیکن موصوف نے بات کو طرح طرح سے گھما پھرا کر ''شیعہ کافر'' کی مطلق تکفیری روش کو تقویت بہم پہنچانے پر اپنی توانائیاں صرف کیں، جس کی رُو سے صحاحِ ستہ اور دیگر بہت سی کتبِ احادیث بھی قابلِ اعتبار نہ ٹھہریں گی، جن میں شیعہ و روافض راوی پائے جاتے ہیں، اور اس کے لیے پھر موصوف کو مذکورہ اطلاق ختم کر کے ایسے ویسے شیعہ کی تقسیم کرنی پڑے گی، اور یہ سب کچھ تقسیم کرنے کے باوجود، شاید وہ اپنے اطلاق کے موقف پر پھر بھی ڈَٹے رہنے سے باز نہ آئیں، اور دوسروں کی تقسیم پر اعتراض کرنے پر مُصِر رہیں۔

ثانیاً بندہ نے ''تکفیرِ شیعہ'' کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے، وہ اگر مجتہدین فقہائے کرام اور محققینِ عظام کے بیان کردہ قول اور شرعی و فقہی قواعد وضوابط کے مطابق ہو، اور ساتھ ہی متعدد محققین واکابر کی تصریحات بھی درج ہوں، اور اس کے علاوہ بھی اس سلسلہ میں مزید سینکڑوں حوالہ

جات موجود ہوں، ان سب کو نظر انداز کر کے، اس کی نسبت محض بندہ کی رائے کی طرف کرنا ''چہ معنیٰ دارد''۔ (علمی و تحقیقی رسائل، جلد ۱۸، ص ۴۸۰، ۴۸۱، مطبوعہ ادارہ غفران، راولپنڈی)

سلفی صاحب چونکہ کتر بیونت اور علمی خیانت کا ارتکاب کرنے میں ماہر ہیں، اس لئے انہوں نے ''ثانیاً'' کے لفظ کو بھی حذف کر دیا، تا کہ قارئین کو علم نہ ہو سکے کہ بات یہاں سے شروع نہیں ہوئی۔

دوسرے سلفی صاحب نے ہماری عبارت کو اپنے مذموم مقاصد کی غرض سے مقدم ومؤخر کر دیا، جو تحریف کی حدوں کو جا پہنچا، چنانچہ سلفی صاحب نے ''ثانیاً'' سے پہلے کی عبارت کو آگے مختلف ٹوٹوں وحصوں میں نقل کیا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

تیسرے سلفی صاحب نے اس موقع پر ہماری عبارت ''چہ معنیٰ دارد'' اور ''چونکہ موصوف'' کے درمیان سے مندرجہ ذیل عبارت کو حذف کر دیا:

''اہلِ اہواء واہلِ بدعت، بشمولِ خوارج وروافض کی علی الاطلاق عدمِ تکفیر کے متعلق باحوالہ کلام پہلے گزر چکا ہے، جبکہ ہم نے مزید احتیاط کے لیے اس میں کفریہ عقائد ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے تقسیم بھی کر دی ہے، تا کہ کسی قسم کا شک وابہام نہ رہے، ورنہ تو متقدمین جمہور فقہائے کرام نے اس تقسیم کی بھی ضرورت نہ سمجھی، انہوں نے مطلقاً ہی عدمِ تکفیر کا قول کیا''

سلفی صاحب کی طرف سے اس موقع پر درمیان کی مندرجہ بالا عبارت کو حذف اور کتر بیونت کی وجہ ظاہر ہے کہ اس عبارت میں ''اہلِ اہواء واہلِ بدعت، بشمولِ خوارج وروافض کی علی الاطلاق عدمِ تکفیر کے متعلق باحوالہ کلام'' کی تصریح تھی، اور سلفی صاحب آگے اس تصریح کو نظر انداز، بلکہ پامال کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ پھر سلفی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''مجتہدین اور فقہائے کرام کا فقط نام لینے میں، نہ تو بجلی خرچ ہوتی ہے، نہ پٹرول! ہاں البتہ اس کے لیے علم وفہم کا نور، فراست وبصیرت کا معقول ذخیرہ اور استدلال واستنباط کا جو ممکنہ ملکہ درکار ہوتا ہے، وہ خیر سے غفران ٹیم کو چھو کر بھی نہیں گزرا، کیونکہ یہ کُل کے کُل فقہاء ومحدثین ہمارے انہیں بزرگوں کی پشت پر کھڑے ہیں، جنہوں نے اثنا عشری روافض کی تکفیر کی ہے'' (مجلّہ حق چار یار، جنوری ۲۰۲۳ء، صفحہ ۲۴)

اور سلفی صاحب نے درمیان کی حذف شدہ عبارت کو الگ سے آگے، صفحہ نمبر 28 پر درج کیا ہے، جیسا کہ آتا ہے۔ اس کے بعد سلفی صاحب نے مذکورہ بے بنیاد دعوے پر اپنی حسبِ روایت وعادت

لفاظی کا خوب چاٹ مسالہ لگایا ہے۔ اثنا عشری روافض کی تکفیر کرنے والے بزرگوں کی پشت پر کُل کے کُل فقہاء ومحدثین کے کھڑے ہونے کا دعویٰ بھی سراسر خلافِ واقعہ ہے۔

اگر واقعی سلفی صاحب اپنے اس دعوے میں سچے تھے کہ مجتہدین اور فقہائے کرام کا فقط نام لینے میں، نہ تو بجلی خرچ ہوتی ہے، نہ پٹرول، تو سلفی صاحب کو اس دعوے کے ثبوت میں کیا چیز مانع تھی؟

ابوالحسن شہاب الدین ہارون بن بہاؤ الدین مرجانی حنفی (المتوفیٰ: 1306ھ) ''حزامۃ الحواشی لازالۃ الغواشی علی التوضیح'' میں فرماتے ہیں:

مذهب جمهور المحققين عدم تكفير الروافض مع انكارهم خلافة ابى بكر وعمر وقد نص على ذالك ابو حنيفة والشافعى رحمهما الله وغيرهما، بل فى المحيط وغيره انه مذهب جمهور الفقهاء (حزامة الحواشى لإزاحة الغواشى على التوضيح، ج۳، ص۲۰۷، الناشر: المطبعة الخيرية، القاهرة، تاريخ النشر: 1322ھ)

ترجمہ: جمہور محققین کا مذہب ''روافض کی عدمِ تکفیر'' کا ہے، ان کے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرنے کے باوجود، اور اس کی امام ابوحنیفہ، اور امام شافعی رحمہما اللہ وغیرہما نے تصریح کی ہے، بلکہ محیط وغیرہ میں ہے کہ یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے (حزامۃ الحواشی)

علامہ ابنِ حجر ہیتمی شافعی (المتوفیٰ: 974ھ) نے ''الصواعق المحرقة'' میں نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ''روافض'' کا زیادہ علم رکھتے ہیں، کیونکہ وہ ''کوفہ'' کے رہنے والے ہیں، اور ''کوفہ'' رِفض کا منبع ہے (الصواعق المحرقۃ علی أہل الرفض والضلال والزندقۃ، ج۱، ص۱۴۵، المقدمۃ الثالثۃ، الفصل الخامس، خاتمۃ)

قاضی أبو الإصبغ عیسٰی بن سہل قرطبی غرناطی مالکی (المتوفیٰ: 486ھ) فرماتے ہیں:

والنوع الثانى من البدع ضلال وزيغ عن الحق وعدول عن السنة والجماعة، لا يطلق عليه كفر ولا على معتقده كافر كقول المختارية من الرافضة: إن عليا إمام؛ من أطاعه فقد أطاع الله، ومن عصاه فقد عصى الله، والأئمة من ولده يقومون مقامه فى ذلك، وكقول صنف منهم يفضل عليًا على الناس كلهم، ولا يطعن على أبى بكر وعمر ويطعن على عثمان بأنه غير .ويقال لهم: الزيدية.وكقول الشيعة منهم: أبو بكر وعمر أفضل الناس بعد رسول الله (صلى الله عليه وسلم) على التقديم، وعلى أحب إلينا.

فهذه كلها بدع خارجة عن رأى جماعة المسلمين، لا نقول إنها كفر ولا إن معتقدها كافر، ولا يمترى ذو حسن فى خفتها فى التى قبلها ولا فى كونها من غير جنسها.ومثل هذا فى التنويع كثير فى غير الرافضة من

المرجئة والجهمية والقدرية وغيرهم (ديوان الأحكام الكبرى أو الإعلام بنوازل الأحكام وقطر من سير الحكام، ص ۷۳۰، كتاب الاقضية، باب مسائل الاحتساب)

ترجمہ: اوران دونوں میں سے دوسری نوع، بدعت کی گمراہی، اورحق سے بھٹکنا، اور سنت وجماعت سے عدول کرنا ہے، جس پر کفر کا اطلاق نہیں کیا جائے گا، اور نہ اس کا اعتقادرکھنے والے کو کافر قرار دیا جائے گا، جیسا کہ''رافضہ'' کے''مختاریہ'' کا قول ہے کہ علی''امام'' ہیں، جس نے ان کی اطاعت کی، تواس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے ان کی نافرمانی کی، تواس نے اللہ کی نافرمانی کی، اورائمہ حضرت علی کی اولاد میں سے ہی ہوں گے، جو حضرت علی کے قائم مقام ہوں گے، اور جیسا کہ ان''رافضہ'' میں سے ایک صنف کا قول ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے تمام لوگوں پر فضیلت دیتے ہیں، اور وہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر طعن نہیں کرتے، اور وہ عثمان رضی اللہ عنہ پر تغیر کرنے کی وجہ سے طعن کرتے ہیں، اوران کو''زیدیہ'' کہا جاتا ہے۔اور جیسا کہ ان ''رافضہ'' میں سے''شیعہ'' کا قول ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں میں افضل ہیں، تقدیم کے اعتبار سے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔پس یہ تمام اقوال بدعت ہیں، جو جماعتِ مسلمین کی رائے سے خارج ہیں، لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ (مذکورہ نوع کے اقوال وافکار) کفر ہیں، اور نہ یہ کہتے ہیں کہ ان کا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے، اور نہ ہی کوئی اچھا شخص اِن بدعات کے اپنے سے پہلی (کفر والی) بدعت کی قسم کے خفیف ہونے میں شک کرسکتا، اور نہ ہی اس بات میں شک کرسکتا کہ یہ بدعات پہلی بدعات کی جنس کے علاوہ سے تعلق رکھتی ہیں (پس یہ کفر نہیں) اوراس طرح کی مختلف بدعات رافضہ کے علاوہ، مرجئہ اور جہمیہ اور قدریہ وغیرہ میں بھی بکثرت موجود ہیں

(دیوان الاحکام الکبریٰ)

اس طرح کی اور بھی بے شمار عبارات وتصریحات ہیں۔

سلفی صاحب کی خیانت وبددیانتی کا تسلسل

اس کے بعد سلفی صاحب نے ہمارے علمی وتحقیقی رسائل کے صفحہ نمبر ۴۸۰ کے حوالہ سے ہماری

عبارت کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''موصوف کو اگر اس موقف سے اختلاف تھا، تو انہیں صاف صاف واضح کرنا چاہیے تھا کہ اس کے برعکس وہ روافض(اصل عبارت'' شیعہ'') کی علی الاطلاق تکفیر کے قائل ہیں، خواہ اس کا تعلق''روافض''(اصل عبارت''شیعہ'') کے کسی بھی فرقہ سے ہو، یا پھر وہ کسی اور تقسیم وغیرہ کے قائل ہیں؟ لیکن موصوف نے بات کو طرح طرح سے گھما پھرا کر روافض (اصل عبارت''شیعہ کافر'') کی مطلق تکفیری روش کو تقویت بہم پہنچانے پر اپنی توانائیاں صرف کیں، جس کی رُو سے صحاحِ ستہ اور دیگر بہت سی کتبِ احادیث بھی قابلِ اعتبار نہ ٹھہریں گی، جن میں شیعہ وروافض راوی پائے جاتے ہیں''

(ماہنامہ حق چار یار، جنوری،۲۰۲۳ء، صفحہ نمبر ۲۵)

سلفی صاحب کی خیانتوں اور بددیانتیوں کا سلسلہ کہیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔

اب موصوف کی طرف سے اس موقع پر کی گئی علمی خیانت کو ملاحظہ فرمایئے۔

ہمارے علمی وتحقیقی رسائل کی مذکورہ جلد طبع شدہ حالت میں موجود اور دستیاب ہے، جس کی مکمل عبارت پہلے نقل کی جا چکی ہے، جس میں خیانت کی گئی، وہ مندرجہ ذیل ہے:

لہٰذا اگر موصوف کو اس موقف سے اختلاف تھا، تو انہیں صاف صاف واضح کرنا چاہیے تھا کہ اس کے برعکس وہ شیعہ کی علی الاطلاق تکفیر کے قائل ہیں، خواہ اس کا تعلق''شیعہ'' کے کسی بھی فرقہ سے ہو، یا پھر وہ کسی اور تقسیم وغیرہ کے قائل ہیں؟

لیکن موصوف نے بات کو طرح طرح سے گھما پھرا کر''شیعہ کافر'' کی مطلق تکفیری روش کو تقویت بہم پہنچانے پر اپنی توانائیاں صرف کیں، جس کی رُو سے صحاحِ ستہ اور دیگر بہت سی کتبِ احادیث بھی قابلِ اعتبار نہ ٹھہریں گی، جن میں شیعہ وروافض راوی پائے جاتے ہیں۔

(علمی وتحقیقی رسائل، ج۱۸، ص۴۸۰)

سلفی صاحب نے ہماری مذکورہ مختصر عبارت میں تین مقامات پر''شیعہ'' کی جگہ''روافض'' لکھ کر علمی خیانت کا ارتکاب کیا، جس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہماری طرف سے اس موقع پر جو سلفی صاحب کو جواب تحریر کیا گیا تھا، وہ''شیعہ'' کے الفاظ پر مبنی تھا، جس پر صحیح تبصرہ کرنے سے سلفی صاحب عاجز تھے، اس لئے انہوں نے بدترین خیانت وبددیانتی کا ارتکاب کیا۔

سلفی صاحب کی محدثین شیعہ ورافضہ سے ناواقفیت

اس کے بعد سلفی صاحب نے لکھا کہ:

''ہم نے گزشتہ سطور (قسط نمبر۳) میں ''لسانُ المیز ان، جلد نمبر۱ صفحہ نمبر۸'' کے حوالہ سے لکھا تھا کہ علامہ ابنِ حجر العسقلانی رحمہ اللہ کے مطابق متقدمین ومتاخرین کی اصطلاحوں میں ''تشیع'' کا مفہوم بالکل جدا جدا رہا ہے، اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرات محدثین کرام کے نزدیک متقدمین ومتاخرین کے درمیان حدِ فاصل ۳۰۰ھ ہے۔ اس لحاظ سے صحاحِ ستہ کے چھ جلیل القدر محدثین کی ولادت ووفات کے سنین دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان کے زمانہ میں رفض وتشیع ان مخصوص عقائد ونظریات کی صورت میں موجود نہ تھی، جس نے مابعد کے دنوں میں موذی شکل اختیار کی تھی'' (ماہنامہ حق چار یار، جنوری ۲۰۲۳ء، صفحہ نمبر ۲۶)

''لسانُ المیز ان، علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ، اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا حوالے پر کلام پہلے گذر چکا ہے، جس سے سلفی صاحب کے مدعیٰ کا بطلان معلوم ہو چکا۔

اس کے بعد سلفی صاحب نے صحاحِ ستہ کے محدثین کی ولادت اور وفات کے سنین نقل کر کے لکھا:

''بقول حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، متقدمین ومتاخرین کے ہاں ''شیعیت'' کا مفہوم الگ الگ جانا جاتا ہے، اور محدثین کرام کی تحقیق کے مطابق متقدمین ومتاخرین کے مابین حدِ فاصل ۳۰۰ھ ہے، جبکہ محدثین صحاحِ ستہ مذکورہ ہجری سے پہلے پہلے بہشت مکانی ہو چکے تھے، یعنی کتب صحاحِ ستہ ۳۰۰ھ سے قبل تالیف ہو چکی تھیں'' (ماہنامہ حق چار یار، جنوری ۲۰۲۳ء، صفحہ نمبر ۲۶)

سلفی صاحب کی مذکورہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شیعہ ورافضہ کی تاریخ تک سے واقف نہیں، سلفی صاحب کے دعوے کے بطلان پر اہل السنۃ کی بے شمار تصریحات موجود ہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہ ''منھاجُ السنة'' میں فرماتے ہیں:

وكانت الشيعة أصحاب علي يقدمون عليه أبا بكر وعمر، وإنما كان النزاع في تقدمه على عثمان .ولم يكن حينئذ يسمى أحد لا إماميا ولا رافضيا، وإنما سموا رافضة وصاروا رافضة لما خرج زيد بن علي بن الحسين بالكوفة في خلافة هشام، فسألته الشيعة عن أبي بكر وعمر، فترحم عليهما، فرفضه قوم، فقال :رفضتموني رفضتموني فسموا رافضة، وتولاه قوم فسموا زيدية لانتسابهم إليه ومن حينئذ انقسمت الشيعة إلى رافضة إمامية وزيدية (منهاج السنة، ج۲، ص۹۶، الفصل الثانی)

www.idaraghufran.org

ترجمہ:اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحابِ شیعہ،ان (علی) پر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو مقدم سمجھتے تھے،اور نزاع صرف ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم کرنے میں تھا،اور اس وقت میں کسی کا نام نہ تو''امامیہ'' رکھا جاتا تھا،اور نہ ہی ''رافضی'' رکھا جاتا تھا،اور ان کا اس وقت نام رافضہ رکھا گیا،اور وہ رافضہ اس وقت ہوئے، جب زید بن علی بن حسین کوفہ میں ہشام کی خلافت میں نکلے،تو ان سے شیعہ نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سوال کیا،تو انہوں نے ان دونوں شیخین پر رحمت کی دعاء کی،تو ان کو ایک قوم نے چھوڑ دیا،جس پر زید بن علی نے فرمایا کہ''رفضتمونی رفضتمونی''(تم نے مجھے چھوڑ دیا،تم نے مجھے چھوڑ دیا) پس اس وقت ان کا نام''رافضہ'' رکھا گیا،اور اس وقت زید بن علی سے ایک قوم نے محبت کی،جس پر ان کا نام''زیدیہ'' رکھا گیا،کیونکہ انہوں نے زید بن علی کے ساتھ اپنی نسبت جوڑ لی،اور اسی وقت سے''شیعہ'' کی''رافضہ امامیہ''اور''زیدیہ'' کی طرف تقسیم ہوگئی

(منہاج السنہ)

علامہ ابنِ تیمیہ نے''مجموعُ الفتاویٰ''میں بھی یہی تفصیل ذکر کی ہے،جس کے بعد فرمایا:

ومن حینئذ انقسمت الشیعة إلی زیدیة ورافضة إمامیة (مجموع الفتاوی، ج ۱۳، ص ۳۶)

ترجمہ:اور یہاں سے''شیعہ''منقسم ہوگئے''زیدیہ''اور''رافضہ امامیہ'' کی طرف (مجموع الفتاویٰ)

''زید بن علی بن حسین علی'' جن کی طرف ، شیعہ کا''زیدیہ'' فرقہ منسوب ہے، اُن کی ولادت اسّی (80) ہجری میں اور وفات 122 ہجری میں ہوئی (ملاحظہ ہو: تقریب التھذیب لابنِ حجر ، ج ا ص ۳۳۰، تحت رقم الترجمة ۲۱۵۵، وتھذیب التھذیب لابنِ حجر، ج ۳ ص ۴۱۹، ۴۲۰، تحت رقم الترجمة ۷۶۹)

علامہ ابنِ تیمیہ نے شیعہ وروافض ،امامیہ کے افکار کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے،اور ان کی علی الاطلاق تکفیر کے بطلان پر بھی کلام کیا ہے۔پس علامہ ابنِ تیمیہ کے مذکورہ حوالہ جات سے شیعہ وروافض کا دوسری صدی کی ابتداء میں موجود ہونا معلوم ہوگیا،اور یہ صحاحِ ستہ کے مصنفین کی ولادت سے بھی پہلے کا زمانہ ہے۔اور سلفی صاحب جو علی الاطلاق تکفیر کا حکم لگانے کے لئے محدثین

کے زمانہ میں رفض وتشیع کے مخصوص عقائد ونظریات کی صورت میں موجود نہ ہونے کی تاویل کرتے ہیں، یہ بے بنیاد بات ہے، اہل السنہ کے سلف نے شیعہ، رافضہ، وامامیہ کے افکار پر مدلل ومفصل کلام کیا ہے، جن میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد وافکار کے عظیم ترجمان ابوالحسن الاشعری (المتوفیٰ: 324ھ) بھی داخل ہیں۔

حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب رحمہ اللہ اپنی تالیف ''طائفہ منصورہ'' میں لکھتے ہیں:

عبیداللہ بن موسیٰ (المتوفیٰ: ۲۱۳ھ) یہ امام بخاری وغیرہ کے استاد ہیں، مگر بایں ہمہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: ''کان شیعیا متحرقا'' وہ جلا بھنا ہوا شیعہ تھا (طائفہ منصورہ ص ۴۲، شیعہ حضرات کے چند محدثین، مکتبہ: صفدریہ گوجرانوالہ طبع ہشتم ۲۰۱۰ء)

علامہ ابنِ حجر نے ''تہذیبُ التھذیب'' میں عبیداللہ بن موسیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے ''الزھرۃ'' کے حوالے سے امام بخاری کا ان سے 27 احادیث کو متعدد مقامات پر روایت کرنے کا ذکر کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: تھذیب التھذیب، ج۷، ص ۵۳، تابع حرف العین)

اور حافظ ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں ان کو ''امام، حافظ، عابد'' کہنے کے بعد فرمایا کہ ''یہ عبادت گزار تھے، لیکن ''تشیع مشؤوم'' میں مبتلا تھے، جنھوں نے اپنے اہلِ شہر (یعنی اہلِ کوفہ) کے بدعت کی تاسیس کرنے والوں سے اس کو اخذ کیا تھا۔

اور ابنِ مندہ نے امام احمد بن حنبل کا ان کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے بارے میں بتلایا کرتے تھے، اور یہ رفض کے ساتھ معروف تھے، اور جس کا نام ''معاویہ'' ہوتا تھا، یہ اس کو اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔

(ملاحظہ ہو: سیر أعلام النبلاء، ج ۹، ص ۵۵۵ الیٰ ۵۵۷، ملخصاً، الطبقۃ العاشرۃ)

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں ''جابر جعفی'' کو ''قدماءِ اثنا عشریہ'' میں ذکر کیا ہے۔

اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے جابر جعفی کوفی کو رافضی کہا ہے، اور ان کی وفات ۱۲۰ھ، بتلائی ہے، اور ایک قول ۱۳۲ھ کا ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو: تقریب التھذیب، ج۱، ص۱۵۴)

جابر جعفی کے بارے میں حافظ ابنِ حجر نے محدثین کے حوالہ سے فرمایا کہ یہ غالی شیعہ اور رافضی تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رجعت کے قائل تھے، صحابہ پر سب وشتم بھی کیا کرتے تھے، بعض محدثین نے اِن کی تکذیب بھی کی ہے، اور بعض نے ان کو سبائی، یعنی عبداللہ بن سباء کے اصحاب

میں سے قرار دیا ہے،اوران پر محدثین کی بکثرت جروحِ مفسرہ موجود ہیں۔

(ملاحظہ ہو:تهذيب التهذيب،لابنِ حجر، ج ٢، ص ٤٦،الیٰ ٤٩،باب الجيم،من اسمه جابان و جابر)

''جابر جعفی'' کی سند سے مروی احادیث،ترمذی،ابنِ ماجہ،اورابوداؤ دوغیرہ میں موجود ہیں۔

امام ترمذی نے''جابر جعفی'' کی سند سے اس حدیث کوروایت کیا ہے کہ''جس نے سات سال تک، اخلاص اورثواب کوحاصل کرنے کی غرض سے اذان دی،اس کے لیے جہنم سے برائت لکھ دی جائے گی۔

امام ترمذی نے اس حدیث کوروایت کرنے کے بعد،حضرت امام وکیع کا یہ قول نقل کیا ہے:

" لولا جابر الجعفي لكان أهل الكوفة بغير حديث، ولولا حماد لكان أهل الكوفة بغير فقه''(سنن الترمذی،تحت رقم الحديث ٢٠٦،باب ما جاء في فضل الأذان)

''یعنی اگر جابر جعفی نہ ہوتے،تو اہلِ کوفہ''حدیث'' کے بغیر رہ جاتے،اوراگر حماد نہ ہوتے،تو اہلِ کوفہ''فقہ'' کے بغیر رہ جاتے''

حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب رحمہ اللہ اپنی تالیف''طائفہ منصورہ''میں لکھتے ہیں:

''ابنِ خراش(المتوفیٰ:٢٨٣ھ) یہ الحافظ البارع اور الناقد تھے۔امام ابونعیم فرماتے ہیں کہ میں نے ابنِ خراش سے بڑا حافظِ حدیث نہیں دیکھا،معہٰذا وہ نہ صرف یہ کہ شیعہ تھے، بلکہ رافضی تھے اور انہوں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے مثالب(یعنی معاییب،ناقل)پر کتاب لکھی تھی(تذکرۃ الحفاظ ج٢،ص٢٣٠)''

(طائفہ منصورہ ص١٤١،شیعہ حضرات کے چند محدثین،مکتبہ:صفدریہ،گوجرانوالہ،طبع ہشتم ٢٠١٠ء)

حافظ ابنِ حجر نے ابنِ خراش کو''محدث،حافظ''اور''غلاۃِ شیعہ''اور''منسوب الی الرفض''قرار دیا ہے(لسان الميزان لابنِ حجر، ج ١ ص ٢١٢، خطبة الأصل، فصل: ٧)

اوران کے''حافظِ زمانہ''اور''اطلاعِ کثیر''ہونے کے باوجود،ان کو''رافضی''اور''عقائد میں گمراہ''بھی کہا ہے(لسان المیزان،ج٥ص١٥٠،تحت ترجمۃ''عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش الحافظ''،رقم الترجمۃ ٤٧٢١)

پس سلفی صاحب جو بیتِ عنکبوت بُننے کے عادی ہیں،ان کے دعاوی کا بطلان محدثین،اور خود حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب رحمہ اللہ کی تصریحات سے ظاہر ہے،جس پر سیر حاصل بحث ہم نے دوسری تالیف میں کر دی ہے۔ (جاری ہے............)

www.idaraghufran.org

کیا آپ جانتے ہیں؟

مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

تکرارِ جنازہ وانتقالِ میت کی تحقیق (قسط10)

’’المبسوط للسرخسی‘‘ کا حوالہ

شمس الائمہ سرخسی (المتوفیٰ:483ھ) نے فقہِ حنفی کی مشہور کتاب ’’المبسوط‘‘ میں فرمایا:

’’اور جب میت پر ایک مرتبہ جنازہ پڑھ لیا، تو ہمارے (یعنی حنفیہ کے) نزدیک دوبارہ جنازہ پڑھنا جائز نہیں، خواہ جماعت کے ساتھ پڑھیں، یا بغیر جماعت کے، الا یہ کہ پہلے جنازہ پڑھنے والے اجنبی ہوں، جنہوں نے اولیاء کی اجازت کے بغیر جنازہ پڑھا ہو، تو ایسی صورت میں ولی کو دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

اور امام شافعی نے فرمایا کہ میت کا جنازہ ایک سے زیادہ مرتبہ پڑھنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تدفین کے بعد نمازِ جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔

امام شافعی کی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ نے یکے بعد دیگرے جوق در جوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازِ جنازہ پڑھا تھا۔

اور حنفیہ کی دلیل ابنِ عباس اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ان کی نمازِ جنازہ فوت ہوگئی، پھر جب وہ حاضر ہوے، تو انہوں نے استغفار پر ہی اکتفاء کیا۔

اس کے علاوہ عبداللہ بن سلام سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ فوت ہوگئی، پھر جب وہ حاضر ہوے، تو انہوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوے فرمایا کہ تم نمازِ جنازہ پر تو مجھ سے سبقت لے گئے، لیکن ان کے لئے دعاء کرنے پر سبقت نہیں لے جاسکتے۔

اور اس دوبارہ نمازِ جنازہ جائز نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ پہلی جماعت کے فعل سے

میت کا حق ادء ہو چکا، اس کے بعد دوسری مرتبہ نمازِ جنازہ نفل واقع ہوگی، اور نفل نمازِ جنازہ مشروع نہیں۔

اور اگر ایسا کرنا جائز ہوتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر، اس کے زیادہ لائق تھی کہ جس شخص کو اس مبارک قبر کی زیارت کی توفیق ہو، وہ جب چاہے، نمازِ جنازہ پڑھ لے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے گوشت، زمین پر حرام ہیں، جس کے متعلق حدیث میں ذکر آیا ہے، لیکن اس کے باوجود کوئی بھی آپ کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنے میں مشغول نہیں ہوا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ دوبارہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، مگر اسی صورت میں جبکہ وہ ولی ہو، کیونکہ اس کو ولایت کا حق حاصل ہے، اور دوسرے کو اس کا حق ساقط کرنا جائز نہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فوت شدہ کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنوں پر ولایت کا حق حاصل تھا، اور یہی صورتِ حال صحابۂ کرام کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جوق در جوق بار بار نمازِ جنازہ پڑھنے کی تھی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا اصل استحقاق حضرت ابوبکر کو حاصل تھا، اور وہ معاملات کو درست کرنے، اور فتنہ وانتشار سے حفاظت میں مشغول تھے، اس لئے ان کی آمد سے پہلے دوسرے لوگوں نے جنازہ پڑھا، پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے (اپنے معاملات سے) فارغ ہوکر جنازہ پڑھا، تو اس کے بعد کسی نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا) جنازہ نہیں پڑھا"۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] (قال :وإذا صلى على جنازة ثم حضر قوم لم يصلوا عليها ثانية جماعة ولا وحدانا عندنا إلا أن يكون الذين صلوا عليها أجانب بغير أمر الأولياء ثم حضر الولي فحينئذ له أن يعيدها. وقال الشافعي -رضي الله عنه :-تعاد الصلاة على الجنازة مرة بعد مرة لما روى أن النبى -صلى الله عليه وسلم -مر بقبر جديد فسأل عنه فقيل :قبر فلانة فقال :هلا آذنتمونى بالصلاة عليها فقيل :إنها دفنت ليلا فخشينا عليك هوام الأرض فقام وصلى على قبرها ولما قبض رسول الله -صلى الله عليه وسلم -صلى الصحابة عليه فوجا بعد فوج.

(ولنا) ما روى عن ابن عباس -رضي الله عنهما -وابن عمر -رضي الله عنه -أنهما فاتتهما الصلاة على جنازة فلما حضرا ما زادا على الاستغفار له. وعبد الله بن سلام -رضي الله عنه -فاتته الصلاة على جنازة عمر فلما حضر قال :إن سبقتمونى بالصلاة عليه فلا تسبقونى بالدعاء له .

والمعنى فيه أن حق الميت قد تأدى بفعل الفريق الأول فلو فعله الفريق الثانى كان تنفلا بالصلاة على الجنازة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تحقیق کرنے والے منصِف کی ذمہ داری ہے کہ وہ محض علمی وفقہی عصبیت کی بنیاد پر کسی موقف کی بے جا حمایت ومدافعت نہ کرے، اور دینی ذمہ داری کو بروئے کار لاتے ہوئے حقیقتِ حال کو منقح کرے، بالخصوص احادیث کے باب میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لے، کیونکہ احادیث کی روایت میں سند اور متن کے مضمون کی بڑی اہمیت ہے، اور اس کے بغیر کسی بھی حدیث کو محض فقہی کتاب میں دیکھ کر معتبر اور قابلِ استدلال قرار دے دینا درست نہیں، یہ طرزِ عمل اصولِ افتاء کے بھی خلاف ہے۔

اس لئے عرض ہے کہ ہمیں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت باسند طریقہ پر دستیاب نہ ہوسکی، جس کا ''المبسوط'' کی مذکورہ بالا عبارت میں ذکر کیا گیا ہے۔''ومن ادعیٰ فعلیہ البیان بالسندو البرھان''

اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مختلف مرویات، اور ان کے متعلق معروضات کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، جن میں سے بعض سے دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنا، اور بعض سے دعاء پر اکتفاء کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اسی لیے ان روایات سے دوسرے موقف کے حاملین نے بھی استدلال کیا ہے۔

جہاں تک عبداللہ بن سلام کی اس روایت کا تعلق ہے، جس کا ''المبسوط'' کی مذکورہ بالا عبارت میں ذکر کیا گیا ہے، تو عبداللہ بن سلام کی جو روایت باسند طریقہ پر مروی ہے، اس میں دعاء کے بجائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں ثناء کا ذکر ہے۔

(ملاحظہ ہو: تاريخ المدينة لابن شبة، ج٣، ص ٩٣٩)

اس کے متعلق دوسرے حضرات کی طرف سے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ مذکورہ روایت کی سند

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وذلک غير مشروع ولو جاز هذا لكان الأولى أن يصلى على قبر رسول الله -صلى الله عليه وسلم- من يرزق زيارته الآن لأنه فى قبره كما وضع فإن لحوم الأنبياء حرام على الأرض به ورد الأثر ولم يشتغل أحد بهذا فدل أنه لا تعاد الصلاة على الميت إلا أن يكون الولى هو الذى حضر فإن الحق له وليس لغيره ولاية إسقاط حقه وهو تأويل فعل رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فإن الحق كان له قال الله تعالى (النبى أولى بالمؤمنين من أنفسهم) (الأحزاب6 :) وهكذا تأويل فعل الصحابة فإن أبا بكر -رضى الله عنه- كان مشغولا بتسوية الأمور وتسكين الفتنة فكانوا يصلون عليه قبل حضوره وكان الحق له لأنه هو الخليفة فلما فرغ صلى عليه ثم لم يصل أحد بعده عليه(المبسوط،للسرخسى، ج ٢، ص ٦٧، باب غسل الميت)

www.idaraghufran.org

کمزور ہے۔

(ملاحظہ ہو: حاشیۃ محض الصواب فی فضائل أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب، ج۳،ص۷۰۹،الباب الثالث والتسعون :ثناء الناس علیہ)

اور اگر اس روایت کو معتبر قرار دیا جائے ،تو اُن حضرات کی طرف سے یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ اس روایت معہود ''دعاء'' مراد نہیں،اوراس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نمازِ جنازہ تو ہو چکا،اوران کی تدفین عمل میں آ گئی ،جس کے بعد کسی کو اب دوبارہ نمازِ جنازہ سے اختلاف ہوسکتا ہے،لیکن ان کی شان میں مدح وثناء اب بھی باقی ہے،جس میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں۔

اس بات کی تائید اسی طرح کی کعب احبار سے مروی ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے،جس میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

''لَئِنْ سَبَقْتُمُونِی بِدَفْنِهِ لَا تَسْبِقُونِی بِحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ ''

''یعنی اگر تم مجھ پر ان (عمر رضی اللہ عنہ) کے دفن کرنے میں سبقت لے گئے ،لیکن تم مجھ پر ان کا ذکرِ خیر کرنے سے سبقت نہیں لے جاسکتے'' (تاریخ المدینۃ لابن شبۃ، ج۳،ص۹۴۰)

اس روایت میں جنازہ کا ذکر ہی نہیں، بلکہ تدفین کا ذکر ہے،اور تدفین کے اعادہ کا سوال ہی نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی روایات سے دراصل حضرت عمر رضی اللہ کی شان اور مدح وثناء بیان کرنا مقصود ہے۔

جہاں تک دوبارہ نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کا تعلق ہے،تو اس کا مرفوع احادیث،اورآثار میں ذکر ہے،اور نمازِ جنازہ دوبارہ پڑھنا کوئی ضروری، یا واجب عمل نہیں،کوئی چاہے،تو نہ پڑھے،اس پر کوئی ملامت نہیں،جس طرح پڑھنے والے پر ملامت نہیں،کسی کے نہ پڑھنے سے، نہ تو دوبارہ پڑھنے کا عدمِ جواز لازم آتا،اور نہ ہی اس فعل نہ کرنے والے کا گناہ گار ہونا لازم آتا۔

اور جہاں تک پہلی مرتبہ نمازِ جنازہ کے بعد دوسری مرتبہ نمازِ جنازہ کے نفل واقع ہونے کی دلیل کا تعلق ہے،تو جو حضرات دوبارہ نمازِ جنازہ کو جائز قرار دیتے ہیں ، وہ اس دلیل سے اتفاق نہیں کرتے ،جیسا کہ آگے آتا ہے،اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھے جانے والی احادیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی ہونے اوراس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر

محمول کرنے سے اتفاق کرتے ، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نمازِ جنازہ نہ پڑھے جانے کو مخصوص احادیث کی وجہ سے مستثنیٰ کرتے ہیں، حضرت ابوبکر اور عمر عنہما کی قبریں بھی چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے ساتھ واقع ہیں، اس لیے ان کو بھی مستثنیٰ کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے پہلے بار بار نمازِ جنازہ پڑھے جانے کے عمل کو وہ تکرارِ جنازہ کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

اور جب روایات میں یہ تصریح آ گئی کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اجازت وحکم سے یکے بعد دیگرے نمازِ جنازہ پڑھا تھا، پہلے مرد حضرات نے، پھر عورتوں، اور بچوں نے، جیسا کہ وہ روایات پہلے گزر چکیں، تو پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلے نمازِ جنازہ نہ پڑھنے، اور سب سے آخر میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی مذکورہ دلیل زیادہ مضبوط نہ رہی، ظاہر ہے کہ ولایت کا حق مرد کو حاصل ہوتا ہے، اور مرد سب پہلے نمازِ جنازہ پڑھ چکے تھے، خواتین نے بعد میں پڑھا، اور ان کے بعد بچوں نے پڑھا۔

اور حقِ تقدم والے شخص کی اجازت سے دوسروں کے جنازہ پڑھنے کی صورت میں اس کو اعادہ کا حق حنفیہ کے نزدیک ختم ہو جاتا ہے۔

(ملاحظہ ہو: المحیط البرھانی فی الفقه النعمانی، ج ۲، ص ۲۰۵، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، حاشية الشلبی، ج ۱، ص ۲۳۹، باب الجنائز، فتاوی قاضی خان، ج ۱، ص ۱۴۸، الجنائز)

اور نمازِ جنازہ کے لئے جماعت شرط نہیں، یہاں تک کہ حنفیہ کے نزدیک اگر امام نے پاکی کی حالت میں، اور مقتدیوں نے ناپاکی کی حالت میں نمازِ جنازہ پڑھا، تب بھی حنفیہ کے نزدیک محض امام کی نماز درست ہونے کی وجہ سے جنازہ اداء ہو جاتا ہے، اور ولی کو اعادہ کا حق نہیں رہتا۔

(ملاحظہ ہو: رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲، ص ۲۲۰، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، المبسوط، للسرخسی، ج ۲، ص ۱۲۶، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الجنازة، المحیط البرھانی فی الفقه النعمانی، ج ۲، ص ۱۹۶، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز)

بلکہ بعض حنفیہ نے تو تصریح کی ہے کہ اصل حق میت کے ولی کا ہے، اور سلطان وحکمران کا استحقاق ایک عارض کی وجہ سے ہے، اس لئے ولی کو تو سلطان کے بعد اعادہ کا حق ہے، سلطان کو نہیں۔

(ملاحظہ ہو: رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲، ص ۲۲۲ و ۲۲۳، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة)

اسی طرح جن احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف مواقع پر قبروں پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے، ان میں یہ تاویل بھی زیادہ راجح معلوم نہیں ہوتی کہ صحابۂ کرام نے نمازِ جنازہ پڑھے بغیر تدفین کی ہو، یا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی ہونے کا علم ہونے سے غافل رہے ہوں، اور اس کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہوں۔

اسی وجہ سے علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''البحرُ الرائق'' کی شرح ''منحةُ الخالق'' میں فرمایا:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ولایت کا حق قرار دینے، اور ان کے سب سے آخر میں نمازِ جنازہ پڑھنے، اور اسی طرح دوسرے واقعات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ولایت کا حق ہونے کی بات کو اس وقت تو درست قرار دیا جاسکتا ہے، جب ابوبکر سے پہلے نمازِ جنازہ پڑھنے والے تمام لوگوں کو اجنبی، اور ولایت کے حق سے محروم قرار دیا جائے، اور ابوبکر سے پہلے اقارب میں سے کسی کے بھی نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کو تسلیم کیا جائے، جو اس بات کے ثبوت پر موقوف ہے، لیکن یہ بعید اور تامل والی بات ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شمولیت کے بغیر صحابہ کا میت کو دفن کردینا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نظر انداز کردینا بھی صحابہ کی شان سے بعید تر بات ہے، بلکہ ایسا دعویٰ کرنا بالکل بھی درست نہیں''۔انتھٰی۔

(ملاحظہ ہو: منحة الخالق على البحر الرائق، ج، ۲ ص ۱۹۶، کتاب الجنائز، صلاة الجنازة)

ہمارے نزدیک علامہ ابنِ عابدین شامی کی مذکورہ توجیہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، بلکہ توجہ کی حامل ہے۔

(جاری ہے.............)

www.idaraghufran.org

عبرت کدہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام: قسط88 مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

کلامِ الٰہی میں ہدایت ورحمت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوہِ طور روانگی، اور وہاں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلامِ الٰہی عنایت فرمانے، اوراس دوران بنی اسرائیل کے بچھڑا پرستی میں مبتلا ہونے کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے، جس میں حضرت موسیٰ، کی حضرت ہارون سے باز پرس، اور بنی اسرائیل کوان کی بچھڑا پرستی پر سزا کے ذکر کے دوران، سامری سے باز پرس اوراس کی سزا کا ذکر گزر چکا۔

اب ہم دوبارہ اسی واقعہ کی طرف آتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے واپس آئے، تو موسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کی تختیاں ایک طرف رکھ دی تھیں، درمیان کے اس سارے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس باز پرس وغیرہ سے فارغ ہوئے، تو حضرت موسیٰ نے وہ تختیاں اٹھالیں، کیونکہ یہی وہ تختیاں تھیں، جواللہ کی کتاب تھیں، اوران تختیوں کو ہی بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، اور بنی اسرائیل نے ان کو نظر انداز کر کے موسیٰ علیہ السلام کوغضب ناک کیا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ سب سے پہلے اس عظیم سرمائے کوسنبھالا جائے۔ [1]

---

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو بچھڑا پرستی میں دیکھا، تو انہوں نے تورات کی تختیاں رکھ دی تھیں، بعض حضرات کے نزدیک کے نزدیک وہ تختیاں ٹوٹ گئی تھیں، لیکن امام رازی ''تفسیرِ کبیر'' میں فرماتے ہیں کہ ''الالواح'' سے مراد وہی ''الواح'' ہیں، جو انہوں نے ڈالی تھیں، اوراس میں یہ ظاہر دلیل ہے کہ ان تختیوں میں سے کوئی تختی ٹوٹی تھی، اور نہ ہی باطل ہوئی تھی، اور وہ جو بعض روایات میں ہے کہ تورات کے سات اجزاء میں چھ اجزا اٹھا لیے گئے تھے، اورصرف ایک جز باقی رہ گیا تھا، وہ صحیح نہیں ہے۔
بعض دیگر مفسرین نے بھی تورات کی تختیاں نہ ٹوٹنے کو ترجیح دی ہے۔

المسألة الثالثة: قوله: أخذ الألواح المراد منه الألواح المذكورة فى قوله تعالى: وألقى الألواح وظاهر هذا يدل على أن شيئا منها لم ينكسر ولم يبطل، وأن الذى قيل من أن ستة أسباع التوراة رفعت إلى السماء ليس الأمر كذلك وقوله: وفى نسختها النسخ عبارة عن النقل والتحويل فإذا كتبت كتابا عن كتاب حرفا بعد حرف .قلت: نسخت ذلك الكتاب، كأنك نقلت ما فى الأصل/ إلى الكتاب الثانى .قال ابن عباس: لما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا کہ یہ وہ نسخہ وہدایت ہے، جس کا وعدہ میں نے تم سے کیا تھا، جس کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا، اس کے لیے اس میں ہدایت بھی ہے، اور رحمت بھی، لیکن وہ لوگ جن کے دل پتھر ہو چکے ہیں، اور خوفِ الٰہی سے خالی ہیں، ان کے لیے اس میں حسرت ونامرادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

قرآن مجید کی سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ(سورۃ الاعراف، رقم الآیۃ ۱۵۴)

یعنی ''اور جب موسیٰ کا غصہ تھم گیا، تو انہوں نے تختیاں اٹھالیں، اور ان میں جو باتیں لکھی تھیں، اس میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا سامان تھا، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں''۔

اس آیت میں تورات کے دو اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے، جو ہر آسمانی کتاب کا وصف رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو کتاب بھی انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے نازل فرمائی، وہ اپنے دور میں لوگوں کی ہدایت کے لیے کافی تھی، آسمانی کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہوتا ہے، جس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ألقى موسى عليه السلام الألواح تكسرت فصام أربعين يوما، فأعاد الله تعالى الألواح وفيها عين ما في الأولى، فعلى هذا قوله: وفي نسختها أي وفيما نسخ منها .وأما إن قلنا إن الألواح لم تتكسر وأخذها موسى بأعيانها بعد ما ألقاها، ولا شك أنها كانت مكتوبة من اللوح المحفوظ فهي أيضا تكون نسخا على هذا التقدير وقوله: هدى ورحمة أي هدى من الضلالة ورحمة من العذاب للذين هم لربهم يرهبون يريد الخائفين من ربهم(التفسير الكبير للرازي، ج۱۵ ص ۳۷۴، سورة الاعراف)

وظاهر هذا يدل على أن الألواح لم تتكسر ولم يرفع من التوراة شيء وفي نسختها النسخ عبارة عن النقل والتحويل فإذا نسخت كتابا من كتاب حرفا بحرف فقد نقلت ما في الأصل إلى الفرع فعلى هذا قيل أراد بها الألواح لأنها نسخت من اللوح المحفوظ، وقيل: أراد بها النسخة المكتتبة من الألواح التي أخذها موسى بعد ما تكسرت(تفسير الخازن، ج۲ ص ۲۵۴، سورة الاعراف)

ولما سكت اى سكن عن موسى الغضب باعتذار هارون وندامة قومه وتوبتهم وفي هذا الكلام مبالغة من حيث انه جعل الغضب الحامل له على ما فعل كالامر به والمغرى عليه حق عبر عن سكونه بالسكوت أخذ الألواح التي القاها وقد ذهب ستة اسباعها وفي نسختها قيل أراد بها اللوح لانها نسخت من اللوح المحفوظ وقيل ان موسى لما القى الألواح تكسرت فنسخ منها نسخة اخرى وقيل معناه فيما نسخ فيها اى كتب فهو فعلة بمعنى المفعول كالخطبة (التفسير المظهرى، ج۳ص ۴۱۳، سورة الاعراف)

www.idaraghufran.org

میں انبیائے کرام علیہ السلام کے ذریعے لوگوں کی ہدایت کا بندوبست کیا جاتا ہے، جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارے گا، اس پر دنیا وآخرت میں اللہ کی رحمت برسے گی، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب اس لیے بھی مجسمہ رحمت ہوتی ہے، کیونکہ اس کی تلاوت میں اجروثواب اور قلبی سکون رکھا ہے، اور اس پر عمل پیرا ہونے سے آدمی کو مشکلات سے نجات اور آخرت میں عظیم الشان اجروثواب سے نوازا جائے گا۔

طب وصحت

حکیم مفتی محمد ناصر

کھانے، پینے سے متعلق اصولی ہدایت

قرآن مجید میں کھانے پینے کا اللہ تعالیٰ کی نعمت کے طور پر کئی آیات میں ذکر آیا ہے۔

مثلاً سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (سورة بقرة، آية ١٧٢)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھاؤ اس پاکیزہ رزق میں سے، جو ہم نے تمہیں دیا ہے، اور اللہ کے لئے شکر کرو، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو (سورہ بقرہ)

سورہ انعام میں ارشاد ہے:

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ (سورة انعام، آية ١٤١)

ترجمہ: کھاؤ اس (زمین) کے پھلوں میں سے جب وہ پھل دے (سورہ انعام)

سورہ اعراف میں ارشاد ہے:

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (سورة الاعراف، رقم الآية ٣١)

ترجمہ: کھاؤ اور پیو، اور اسراف نہ کرو، بے شک اللہ اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا (سورہ اعراف)

اور سورہ مؤمنون میں ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (سورة مؤمنون، آية ٥١)

ترجمہ: اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے اور اعمال کرو اچھے، بے شک میں جانتا ہوں جو تم عمل کرتے ہو (سورہ مؤمنون)

مذکورہ آیات میں کھانے اور پینے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حلال اور پاکیزہ چیزیں

www.idaraghufran.org

کھانا اور پینا عبادت ہے، اور ایک آیت میں حد سے زیادہ کھانے پینے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ حد سے زیادہ کھانا پینا جسم کے لئے نقصان دہ ہے، اور یہ عمل اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔

البتہ کبھی کبھار پیٹ بھر کر اور سیر ہو کر کھانے پینے میں حرج نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی بعض اوقات اتنا کھانا پینا ثابت ہے، کہ وہ شکم سیر ہو گئے، اور مزید کھانے پینے کی گنجائش نہیں رہی (بخاری، رقم الحدیث ۶۰۲، بخاری، رقم الحدیث ۶۴۵۲)

کھانے پینے میں اعتدال قائم رکھنے کے حوالہ سے بعض احادیث میں ایک اصول بیان ہوا ہے، جو ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔

چنانچہ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ. بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ (ترمذی، رقم الحديث ۲۳۸۰) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی نے پیٹ سے بُرا برتن نہیں بھرا، ابنِ آدم کے لئے کمر سیدھی کرنے کے لئے چند لقمے کافی ہیں، اگر اس سے زیادہ ہی کھانا ہو تو (پیٹ کے) تین حصے کر لے، تین میں سے ایک حصہ کھانے کے لئے، تین میں سے دوسرا حصہ پینے کے لئے، اور تین میں سے تیسرا حصہ اپنا سانس لینے کے لئے

(ترمذی، مسند احمد)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کا کسی خالی برتن کو بھرنا اتنا بُرا نہیں ہے، جتنا کہ آدمی کا اپنے خالی پیٹ کو حد سے زیادہ بھرنا بُرا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کھاتے ہوئے یہ پیشِ نظر رکھنا کہ کمر سیدھی رہے، اور جسم میں کام کرنے کی طاقت اور قوت رہے، درست طریقہ ہے، اور اس سے کم کھانا پینا، جس سے کمر بھی سیدھی نہ رہ سکے، جسم لاغر اور کمزوری محسوس کرے، اور جسم میں کام کرنے کی طاقت اور قوت نہ ہو، درست نہیں۔

---

[1] باب ما جاء فی كراهية كثرة الأكل، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۱۸۶، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۱۳۹، قال الذهبی: صحيح. وقال شعيب الارنؤوط فی حاشية مسند احمد: رجاله ثقات)

اخبارِ ادارہ مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

□...... 2/9/16 / رمضانُ المبارک 1444ھ بروز جمعہ متعلقہ مساجد میں وعظ ومسائل کے سلسلے حسبِ معمول ہوئے۔

□...... 4/11/18 / رمضانُ المبارک 1444ھ، بروز اتوار مدیر صاحب کی اصلاحی مجالس صبح تقریباً ساڑھے دس بجے ادارہ غفران میں منعقد ہوتی رہیں۔

□...... 29 / شعبان بروز بدھ، کی رات رمضان کے چاند کا اعلان تاخیر سے ہوا، جس کی وجہ سے پہلی شب میں تراویح کے اندر چھوٹی سورتیں پڑھی گئیں، اور 2 رمضان کی رات سے ادارہ میں حسبِ سابق تراویح میں قرآن مجید سنانے کے مختلف حلقے قائم ہوگئے، حضرت مدیر صاحب اور آپ کے صاحبزادے مولانا محمد ریحان صاحب، مسجدِ غفران میں قرآن مجید کا سواپارہ روزانہ سنا رہے ہیں، شعبہ حفظ کے استاد قاری فرحانُ اللہ صاحب نے پانچ پارہ روزانہ تراویح میں سنا کر ساتویں شب میں، اور حافظ ظفر صاحب نے تین پارے روزانہ سنا کر دسویں شب میں، اور مولانا طارق محمود صاحب اور حافظ مؤذن صاحب نے ڈھائی پارے روزانہ سنا کر تیرہویں شب میں، اور حافظ محمد لقمان صاحب نے (تعمیرِ پاکستان سکول میں دو پارے روزانہ) سنا کر سترہویں شب میں، اور حافظ ابوبکر اور حافظ عبدالمعید صاحبان نے (دو پارے روزانہ) اور قاری معاویہ صاحب اور حافظ عبداللہ سجاد نے (دو پارہ روزانہ) سنا کر اٹھارہویں شب میں، اور حافظ حذیفہ صاحب نے (تین پارے روزانہ) سنا کر انیسویں شب میں، بحمد اللہ تعالیٰ قرآن مجید مکمل کرلیا ہے، جبکہ مولانا غلام بلال صاحب (ڈیڑھ پارہ روزانہ) اور جناب فرقان خان صاحب (برادر مفتی صاحب مدیر) کی رہائش گاہ میں حافظ محمد عفان صاحب ڈیڑھ پارہ روزانہ، اور مسجد نسیم میں بندہ محمد ناصر (سواپارہ روزانہ) اور مسجد بلال (صادق آباد) میں مفتی محمد یونس صاحب کے یہاں اُن کے بیٹے مولانا شعیب صاحب (سواپارہ روزانہ) تراویح میں قرآن مجید سنا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اُمتِ محمدیہ کے تمام اعمالِ صالحہ کو قبول فرمائیں۔ آمین۔

□...... 15 / رمضان، سولہویں شب، بروز جمعرات ادارہ کے سابق طالب علم حافظ زمرد خان کا ادارہ کے متصل، ان کے ڈیرہ پر قرآن مجید کی تراویح میں تکمیل ہوئی، مفتی صاحب مدیر نے بیان کیا، اور دعاء کرائی۔

www.idaraghufran.org

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 20 شمارہ 10 مئی 2023ء - شوال المکرّم 1444ھ